عرض احوال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اپنا قبلہ درست کیجیے!

ہمارا معاشی قبلہ ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف ہے' بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ نائن الیون کے بعد ہمارا قبلہ وکعبہ امریکہ ہے جس کے دباؤ پر ہم نے اپنی افغان پالیسی اور کشمیر کاز سمیت ہر معاملے میں یوٹرن لیا۔ امریکہ اِس وقت دنیا میں شر کی سب سے بڑی قوت بن چکا ہے جو روشن خیالی کی آڑ میں شیطانی کلچر کو پوری دنیا پر مسلط کر رہا ہے۔ افسوس کہ اسی ایجنڈے کی تکمیل کو ہمارے حکمرانوں نے اپنا مقصد حیات بنا لیا ہے۔ چنانچہ آج ہماری تہذیب وثقافت مغربی اور ہندوانہ کلچر کا ملغوبہ بن چکی ہے۔

ہم اس حقیقت سے آنکھیں بند کیے ہوئے ہیں کہ امریکہ کا اگلا ٹارگٹ پاکستان کا ایٹمی پروگرام ہے۔ ہم اپنا مقصد حیات بھول کر دنیا پرستی اور نفس پرستی میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ ہماری بداعمالیوں اور دین سے بے وفائی کے نتیجے میں ذلت ومسکنت کا عذاب آج پوری اُمت پر مسلط نظر آتا ہے۔ پوری اُمت بے بسی اور لاچاری کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ غنیمت ہے کہ غازی علم دین شہید کی یاد کو تازہ کرنے والا ایک عامر چیمہ تو اس اُمت میں اٹھا ہے جو ناموسِ رسالت پر قربان ہو گیا۔ اور الحمد للہ کہ یہ سعادت ایک پاکستانی کے حصے میں آئی ہے۔ جبکہ ہمارے حکمرانوں کا رویہ اس معاملے میں بھی معذرت خواہانہ اور بزدلانہ ہے۔

آج صدر مشرف کو بھی اندازہ ہو گیا ہے کہ ان کی ''خدمات'' کے جواب میں امریکہ پوری ڈھٹائی کے ساتھ بے وفائی اور طوطا چشمی پر تلا ہوا ہے۔ انہیں امریکہ کی طرف سے سرخ جھنڈی دکھا دی گئی ہے۔ چنانچہ اب امریکہ کے بارے میں ان کا لب ولہجہ واضح طور پر بدلا ہوا نظر آتا ہے۔ کاش کہ وہ سبق سیکھ کر اب اپنا قبلہ درست کرنے پر تیار ہو جائیں۔ اللہ کا دامنِ رحمت بہت کشادہ ہے۔ اب بھی ان کے لیے مہلت ہے کہ وہ سچی توبہ کریں اور اب ڈٹ کر امریکہ کے مقابلے میں کھڑے ہوں اور ایک سچے مسلمان کا کردار ادا کریں۔ اگر ہم دنیا اور آخرت میں کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کا واحد حل یہ ہے کہ ہم انفرادی اور اجتماعی سطح پر سچے دل سے توبہ کریں اور اللہ کے ہر حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیں تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ بڑے سے بڑے گناہ یہاں تک کہ کوہِ ہمالیہ کے برابر گناہوں کو بھی معاف فرما دے گا اور اس کی رحمت اور نصرت ہمیں حاصل ہو سکے گی۔ کاش ہم اس مہلت سے یہ فائدہ اٹھا سکیں۔ **اللّٰھم وفّقنا لھٰذا!**

خوش الحانی کے ساتھ قرآن کی تلاوت

قرآن کی تلاوت کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ ہر شخص اپنی حد تک بہتر سے بہتر اسلوب، اچھی سے اچھی آواز اور زیادہ سے زیادہ خوش الحانی سے قرآن مجید کی تلاوت کرے۔ اس لیے کہ حسنِ سماعت کا ذوق کم وبیش ہر انسان میں ودیعت کیا گیا ہے اور اچھی آواز ہر شخص کو بھاتی ہے۔ اسلام دینِ فطرت ہے اور انسان کے کسی فطری جذبے کو یکسر ختم نہیں کرتا، بلکہ تمام فطری داعیات کو صحیح راستوں پر ڈالتا ہے۔ حسنِ نظر اور حسنِ سماعت انسان کے فطری داعیات میں سے ہیں۔ قرآن مجید کی خوبصورت اور خوش نما کتابت سے ایک مؤمن کے حسنِ نظر کو حقیقی تسکین حاصل ہوتی ہے اور اس کی خوش الحانی کے ساتھ قراءت اس کے ذوقِ سماعت کو آسودگی عطا کرتی ہے —— یہی وجہ ہے کہ آنحضورﷺ نے تاکیداً فرمایا ہے:

((زَیِّنُوا الْقُرآنَ بِاَصْوَاتِکُمْ)) (۱)

''قرآن کو اپنی آوازوں سے مزین کرو۔''

ساتھ ہی اس معاملے میں کوتاہی پر ان الفاظ میں تنبیہ فرمائی کہ:

((مَنْ لَّمْ یَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ فَلَیْسَ مِنَّا)) (۲)

''جو قرآن کو خوش الحانی سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔''

اور اس کے لیے مزید تشویق کے لیے خبر دی ہے کہ:

((مَا اَذِنَ اللّٰہُ لِشَیْءٍ مَا اَذِنَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَتَغَنّٰی بِالْقُرْآنِ یَجْھَرُ بِہٖ)) (۳)

''اللہ تعالیٰ کسی چیز پر اس طرح کان نہیں لگاتا جس طرح نبیؐ کی آواز پر لگاتا ہے جبکہ وہ قرآن کو خوش الحانی کے ساتھ باآواز بلند پڑھ رہا ہوتا ہے۔''

بارہا ایسا ہوتا تھا کہ حضورﷺ راہ چلتے کسی صحابیؓ کو اچھی آواز سے قرآن پڑھتے ہوئے سنتے تو دیر تک کھڑے ہو کر سنتے رہتے تھے اور بعد میں اس کی تحسین بھی فرماتے تھے۔ اس کے علاوہ آپؐ فرمائش کر کے بھی صحابہ رضی اللہ عنہم سے قرآن مجید سنا کرتے تھے۔

---

(۱) عن البراء بن عازب رضی اللہ عنہ، رواہ ابوداؤد والنسائی

(۲) عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، رواہ ابوداؤد

(۳) عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، رواہ ابوداؤد

(اقتباس از ''مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق'' —— ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ)

خوش الحانی کے ساتھ قرآن کی تلاوت

قرآن کی تلاوت کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ ہر شخص اپنی حد تک بہتر سے بہتر اسلوب، اچھی سے اچھی آواز اور زیادہ سے زیادہ خوش الحانی سے قرآن مجید کی تلاوت کرے۔ اس لیے کہ حسنِ سماعت کا ذوق کم وبیش ہر انسان میں ودیعت کیا گیا ہے اور اچھی آواز ہر شخص کو بھاتی ہے۔ اسلام دینِ فطرت ہے اور انسان کے کسی فطری جذبے کو یکسر ختم نہیں کرتا، بلکہ تمام فطری داعیات کو صحیح راستوں پر ڈالتا ہے۔ حسنِ نظر اور حسنِ سماعت انسان کے فطری داعیات میں سے ہیں۔ قرآن مجید کی خوبصورت اور خوش نما کتابت سے ایک مؤمن کے حسنِ نظر کو حقیقی تسکین حاصل ہوتی ہے اور اس کی خوش الحانی کے ساتھ قراءت اس کے ذوقِ سماعت کو آسودگی عطا کرتی ہے — یہی وجہ ہے کہ آنحضور ﷺ نے تاکیداً فرمایا ہے:

((زَیِّنُوا الْقُرآنَ بِاَصْوَاتِکُمْ)) (۱)

''قرآن کو اپنی آوازوں سے مزین کرو۔''

ساتھ ہی اس معاملے میں کوتاہی پر ان الفاظ میں تنبیہ فرمائی کہ:

((مَنْ لَّمْ یَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ فَلَیْسَ مِنَّا)) (۲)

''جو قرآن کو خوش الحانی سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔''

اور اس کے لیے مزید تشویق کے لیے خبر دی ہے کہ:

((مَا اَذِنَ اللّٰہُ لِشَیْءٍ مَا اَذِنَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَتَغَنّٰی بِالْقُرْآنِ یَجْھَرُ بِہٖ)) (۳)

''اللہ تعالیٰ کسی چیز پر اس طرح کان نہیں لگاتا جس طرح نبیؐ کی آواز پر لگاتا ہے جبکہ وہ قرآن کو خوش الحانی کے ساتھ باآواز بلند پڑھ رہا ہوتا ہے۔''

بارہا ایسا ہوتا تھا کہ حضور ﷺ راہ چلتے کسی صحابیؓ کو اچھی آواز سے قرآن پڑھتے ہوئے سنتے تو دیر تک کھڑے ہو کر سنتے رہتے تھے اور بعد میں اس کی تحسین بھی فرماتے تھے۔ اس کے علاوہ آپؐ فرمائش کر کے بھی صحابہ رضی اللہ عنہم سے قرآن مجید سنا کرتے تھے۔

(۱) عن البراء بن عازب رضی اللہ عنہ، رواہ ابوداؤد والنسائی

(۲) عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، رواہ ابوداؤد

(۳) عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، رواہ ابوداؤد

حقیقت واَقسامِ شرک (۵)

بانئ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

نحمدہٗ ونصلی علٰی رَسولہِ الکریم ..... امَّا بَعد:
اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِہٖ وَھُوَ یَعِظُہٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۳﴾﴾ (لقمٰن) ..... صدق اللّٰہ العظیم

''اور یاد کرو جب کہ لقمان نے کہا اپنے بیٹے سے' اور وہ اسے نصیحت کر رہے تھے' کہ اے میرے بچے! اللہ کے ساتھ شرک نہ کیجئے یقیناً شرک بہت بڑا ظلم (اور بہت بڑی ناانصافی) ہے''۔

''حقیقت واقسامِ شرک'' کے اس سلسلۂ گفتگو میں آج ہمارا موضوع شرک کی معین کردہ اقسام میں سے تیسری قسم ''شرک فی الحقوق'' ہے۔لیکن اس موضوع پر بحث سے پہلے میں ''شرک فی الصفات'' کے ذیل میں ''مسئلہ شفاعت'' کی قدرے وضاحت کر دینا چاہتا ہوں۔

شفاعت کا مسئلہ قرآن وحدیث کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ کے اِذن کے ساتھ شفاعت قرآن وحدیث دونوں سے ثابت ہے۔ اس کا انکار کرنے والا قرآن مجید اور حدیث دونوں کی نصوص کا منکر ہو جائے گا۔آیت الکرسی میں ارشاد الٰہی ہے:﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ؕ﴾ (البقرۃ:۲۵۵) ''کون ہے جو اُس (اللہ تعالیٰ) کی جناب میں اُس کی اجازت کے بغیر شفاعت کر سکے؟'' سورۂ طٰہٰ میں فرمایا گیا:﴿یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَۃُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَہُ الرَّحْمٰنُ

وَرَضِیَ لَهٗ قَوْلًا﴿۱۰۹﴾ ’’اُس روز شفاعت کارگر نہ ہوگی‘ اِلّا یہ کہ کسی کو رحمان اِس کی اجازت دے اور اُس کی بات سننا پسند کرے۔‘‘ البتہ اگر کسی کے ذہن میں شفاعت کا تصور یہ ہے کہ کوئی ہستی اتنی زور آور ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عدل کے راستے میں (معاذ اللہ) رکاوٹ بن سکتی ہے‘ اور اللہ سے اس کی مرضی کے خلاف کچھ کروا سکتی ہے تو یہ یقیناً شرک ہے۔ اس لیے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی یہ شانِ یکتائی کہ وہ ﴿عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ ہے‘ ﴿فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ﴾ ہے‘ ﴿یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ﴾ ہے‘ مجروح ہو کر رہ جاتی ہے۔ پھر تو وہ (معاذ اللہ) کسی اور کی مرضی کا پابند اور کسی اور سے اِذن کا خواہاں بن کر رہ جائے گا۔ پھر تو وہ اللہ نہ رہا‘ اس لیے کہ اس کا اختیار اور اس کی قوت محدود ہو گئی! جبکہ اللہ تو وہی ہے جس کی قوت اور اختیارات لامحدود ہیں۔

درحقیقت مشیتِ مطلقہ اور ارادۂ مطلق صرف اللہ کے لیے ہے‘ کسی اور کے لیے نہیں ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اِذن پا کر شفاعت کرنا یہ یقیناً قرآن و حدیث دونوں سے ثابت ہے۔ اور یہ شفاعت صرف قیامت کے دن ہی نہیں ہوگی‘ اب بھی ہو رہی ہے۔ کوئی بھی شخص جب کسی دوسرے کے لیے کوئی دعا کرتا ہے تو وہ شفاعت ہے۔ ’’شفع‘‘ دراصل دو (۲) کو کہتے ہیں۔ جیسے سورۃ الفجر میں فرمایا گیا: ﴿وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ﴿۳﴾﴾ ’’اور قسم ہے جفت اور طاق کی‘‘۔ تو شفاعت یہ ہے کہ آپ نے اپنی ایک درخواست کہیں پیش کی اور کسی نے آپ کے لیے سفارش بھی کی۔ تو یہ سفارش دراصل شفاعت ہے کہ اُس نے اپنی بات بھی آپ کی بات کے ساتھ جوڑ دی تو بات دوہری ہو گئی۔ یعنی ایک سائل ہے جو اپنا سوال پیش کر رہا ہے اور ایک اور ہے جو اُس کی سفارش کر رہا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے دوران بھی یہ ہوتا تھا کہ کسی مسلمان سے کسی خطا یا غلطی کا صدور ہو جاتا تو وہ خود بھی اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا تھا اور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بھی حاضر ہوتا تھا کہ آپؐ بھی اللہ تعالیٰ سے میرے لیے سفارش کریں۔ یہ نبی اکرم ﷺ کی طرف سے اللہ کی بارگاہ میں اُس مسلمان کے لیے شفاعت تھی۔ اسی طرح قرآن مجید سے ثابت ہے کہ فرشتے بھی انسانوں کے لیے

شفاعت کرتے رہتے ہیں۔ ازروئے الفاظِ قرآنی: ﴿يَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ﴾ (الشوریٰ: ۵) ''وہ زمین والوں کے لیے (اپنے پروردگار سے) استغفار کرتے رہتے ہیں۔'' اسی طرح کا معاملہ میدانِ حشر میں ہوگا۔ انبیاء' صدیقین' شہداء' صالحین اور اولیاء اللہ کو اپنے اپنے مراتب کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملے گی کہ وہ بھی گنہگاروں کے حق میں شفاعت کریں۔ البتہ اللہ تعالیٰ کے اِذن کے بغیر کوئی ہستی بھی کسی کے لیے شفاعت نہیں کر سکے گی۔ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا﴾ (النبا) ''(اُس روز) کوئی نہ بولے گا (کسی کو کلام کرنے کا یارا نہ ہوگا) سوائے اُس کے جسے رحمٰن اجازت دے اور وہ ٹھیک بات کہے۔'' تو شفاعت کا مطلق انکار قرآن مجید اور احادیثِ نبویہؐ کی نصوص کا انکار ہے۔ البتہ شفاعت کا جو ایک عوامی اور جاہلانہ تصور ہے کہ ؎

خدا جنھوں پکڑے چھڑا لے محمدؐ
محمدؐ دے پکڑے چھڑا کوئی نہیں سکدا

یہ شرک کی بدترین صورت ہے۔ اس میں' نعوذ باللہ' اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ایک اور مشیت غالب آ رہی ہے اور اس کے ارادے پر ایک اور ارادہ مُستَولی ہو رہا ہے۔

''شرک فی الحقوق'' یا ''شرک فی العبادت''

ویسے تو اگر ہم اللہ تعالیٰ کے حقوق کو شمار کرنے لگ جائیں تو وہ بے شمار ہو جائیں گے' لیکن ''ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں'' کے مصداق اللہ تعالیٰ کا ایک حق ایسا ہے کہ جس میں اُس کے سارے حقوق آ جاتے ہیں' اور وہ حق ہے ''عبادت''۔ چنانچہ ''شرک فی الحقوق'' مساوی ہو جائے گا ''شرک فی العبادت'' کے۔ قرآن مجید میں یہ مضمون بے شمار مرتبہ آیا ہے کہ تمام رسولوں کی دعوت اسی حوالے سے ہے کہ ''اللہ کی عبادت کرو' اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو''۔ سورۂ ھود کی ابتدائی آیات میں بتایا گیا کہ قرآن مجید کا مقصدِ نزول اور محمدٌ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی غرض و غایت کیا

ہے۔فرمایا:

﴿الٓرٰ ۟ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۙ﴿۱﴾ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۙ﴿۲﴾﴾

''ا'ل' ر۔ یہ وہ کتاب ہے جس کی آیات پختہ کی گئیں' پھر وہ کھولی گئیں (ان کی تفسیر کی گئی) اُس ہستی کی طرف سے جو کمالِ حکمت والی ہے' تمام چیزوں سے باخبر ہے۔ (اور یہ اس لیے نازل ہوئی) کہ عبادت نہ کرو مگر اللہ کی۔ یقیناً میں تمہارے لیے اللہ کی طرف سے خبردار کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں''۔

یعنی جو اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور ''توحید فی العبادت'' کے معیار پر پورے اتر جائیں اُن کے لیے میں بشارت دینے والا ہوں کہ ان کے لیے نعمتوں والی جنتیں ہیں۔اور جو اِس معیار پر پورے نہ اتریں ان کے لیے میں خبردار کرنے والا ہوں کہ ان کے لیے ان کے ربّ کے پاس بڑا دردناک عذاب ہے۔

سورۃ الکہف کی آخری آیت میں نبی اکرم ﷺ سے کہلوایا گیا:

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۧ﴾

''(اے نبیؐ!) کہہ دیجیے کہ میں تو ایک انسان ہوں تم ہی جیسا' میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود بس ایک ہی معبود ہے۔ پس جو کوئی اپنے ربّ کی ملاقات کا امیدوار ہو اُسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے ربّ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے''۔

''عبادت'' کا مفہوم اور اس کے اجزاء

''شرک فی الحقوق'' یا بالفاظِ دیگر ''شرک فی العبادت'' کو سمجھنے کے لیے ہمیں سب سے پہلے لفظ ''عبادت'' کو سمجھنا ہوگا۔عربی میں ''عبد'' غلام اور بندے کو اور ''عبادت'' غلامی اور بندگی کو کہتے ہیں۔قرآن مجید کی مشہور آیۂ مبارکہ ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾﴾ (الذّٰریٰت) اس کی صحیح ترین ترجمانی کی ہے شیخ سعدیؒ نے کہ : ؎

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی!

یہ تو ہوا لفظ ''عبادت'' کا معنی و مفہوم۔ اصطلاح میں ''عبادت'' اصل میں کیا ہے' امام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیمؒ نے اِس کی صحیح ترین اور جامع ترین تعبیر کی ہے' گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے' کہ: ''اَلعِبَادَۃُ تَجمَعُ اَصلَیْنِ'' کہ عبادت دو بنیادوں یا دو جڑوں کو اپنے اندر جمع کرتی ہے' یعنی اِس کے دو بنیادی اجزاء ہیں جن کے ملنے سے یہ عبادت وجود میں آتی ہے۔ اور وہ ہیں: ''غَایَۃَ الْحُبِّ مَعَ غَایَۃِ الذُّلِّ وَالْخُضُوْعِ'' کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ انتہا درجے کی محبت ہو اور اُس کے ساتھ جمع ہو جائے انتہائی درجے کی عاجزی وانکساری کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بچھ جائے' اپنے آپ کو اُس کے سامنے پست کر دے۔ اللہ کی مرضی اور پسند کے مقابلے میں اس کی اپنی کوئی مرضی اور پسند باقی نہ رہے۔ جو اللہ کو پسند ہو وہی اس بندے کو پسند ہو اور جو اللہ کی مرضی ہو اسی پر وہ راضی ہو۔ جو اللہ کا حکم ہو وہ اسے بسر وچشم بجالائے اور اپنی زندگی کی غایت ہی یہ سمجھے کہ بس اپنے آقا' اپنے مالک' اپنے ربّ کو راضی کرنا ہے۔ اس کی رضا جوئی ہی اس کی زندگی کا مقصود ہو۔

ویسے تو لفظ ''عبد'' غلام کے معنی میں آتا ہے اور غلامی کے اندر ایک جبر کا مفہوم ہے۔ دنیا میں جب بھی کوئی کسی کا غلام ہوتا تھا یا اب بھی جو قومیں دوسری قوموں کی غلام ہوتی ہیں تو اِس غلامی میں جبر کا پہلو ہوتا ہے۔ یہ مجبوری اور مارے باندھے کی غلامی ہوتی ہے۔ کوئی اپنی مرضی سے کسی کا غلام نہیں بنتا' بلکہ دوسرا اُس پر مسلط ہو جاتا ہے۔ لہٰذا لفظ ''عبد'' کے مفہوم میں چونکہ جبر کا پہلو شامل ہے اس لیے جب دین کے اندر اللہ کی عبادت کا تصور زیر بحث آئے گا تو یہ صراحت ضروری ہوگی کہ اس میں غلامی کا وہ عنصر تو بتمام وکمال موجود ہونا چاہیے کہ جیسے ایک غلام' ایک بندہ اپنے آقا کا مطیع فرمان ہوتا ہے' لیکن اس میں کوئی پہلو جبر کا نہ ہو' بلکہ اپنے آقا اور معبود کی محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر اپنے آپ کو اس کے سامنے بچھا دیا جائے'

اوراس کی بندگی اپنی آزاد مرضی سے اختیار کی جائے‘ جبر سے نہیں۔ گویا عبادت کے دو اجزاء ہیں‘ ایک ہے کُلی اطاعت اور ایک ہے محبت کہ جو اِس اطاعت کی اصل روحِ باطنی ہے۔ ان دونوں کے مابین باہمی نسبت و تناسب وہی ہے جو ہمارے اِس مادی وجود اور روحانی وجود کے مابین ہے۔ جیسے ہمارا جو جسمِ ظاہری ہے‘ نظر تو یہی آتا ہے‘ سارا وزن اسی کا ہے‘ لیکن اس میں جو اصل حقیقت ہے وہ جان ہے‘ روح ہے‘ اسی کی وجہ سے یہ قائم ہے‘ ورنہ تو یہ متعفن ڈھیر بن جائے گا‘ قریب ترین اعزہ و اقارب بھی دُور بھاگیں گے۔ میں یہاں لفظ ’’روح‘‘ کو ’’جان‘‘ کے ہم معنی کے طور پر استعمال کر رہا ہوں‘ جو غلط العام تصور ہے۔ اِس وقت ’’روح‘‘ اور ’’جان‘‘ کا فرق زیر بحث نہیں ہے۔ تو جیسے نگاہ میں آنے والا ہمارا یہ ظاہری وجود ہے‘ وزن اسی کا ہے‘ لیکن اس کی اصل قدر و قیمت اُس روحِ باطنی کی ہے جو اِس کے اندر سرایت کیے ہوئے ہے‘ بالکل اسی طرح عبادت کا اصل جسد تو اطاعت ہے‘ نظر تو یہی آئے گا کہ فلاں آدمی نے اللہ تعالیٰ کا حکم مانا‘ اس نے اللہ کے حکم کے مطابق نماز پڑھی‘ اس نے اللہ کے حکم کے مطابق روزہ رکھا‘ اس نے اللہ کے حکم کے مطابق فلاں چیز کو حلال جانا اور فلاں چیز کو حرام جانا‘ لیکن اگر اس میں محبت کا پہلو نہیں ہے تو پھر یہ عبادت ایک بے جان جسد ہے‘ جس میں کوئی روح نہیں ہے۔ علامہ اقبال نے اس دَور میں اسے خوب واضح کیا ہے کہ ؎

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب! میرا سجود بھی حجاب!

اور: ؎

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اوّلیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بُت کدۂ تصورات

اگر عبادت کے اندر محبتِ خداوندی کی روح جاری و ساری نہ ہو تو یہ اعمال محض رسم بن کر رہ جاتے ہیں۔ تو عبادت کے یہ دو اجزاء بہت اہم ہیں‘ ایک اطاعتِ کُلی اور دوسرا

محبتِ خداوندی۔[1]

عبادت کے ذیل میں تیسری چیز کچھ مراسمِ عبودیت ہیں جو اپنی بندگی کو ظاہر کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔ انسان کا ہمیشہ سے یہ قاعدہ رہا ہے کہ کسی کی تعظیم اور نیازمندی کے اظہار کے لیے وہ کچھ صورتیں اختیار کرتا ہے' مثلاً جس کی تعظیم مقصود ہو انسان دست بستہ اس کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ بادشاہوں کے سامنے سینہ تان کر نہیں بلکہ جھک کر کھڑا ہوا جاتا ہے۔ پھر جس کی مزید تعظیم مقصود ہو اُس کے سامنے رکوع کیا جاتا ہے اور اس سے آگے بڑھ کر سجدہ کیا جاتا ہے۔ سورج کی تعظیم مقصود ہو تو لوگ سورج کے سامنے سرنگوں ہو جاتے ہیں' سربسجود ہو جاتے ہیں۔ تو یہ ظاہری اعمال کہ جس میں اس عبادت کے جذبے کا اظہار ہوتا ہے' مراسمِ عبودیت کہلاتے ہیں۔

عبادت کے ذیل میں چوتھی بحث ''دعا'' ہے جو عبادت کا لبِّ لباب اور اصل خلاصہ ہے۔ کسی ہستی کو پکارا جاتا ہے اُسے مشکل کشا' حاجت روا' تکلیفوں کا دُور کرنے والا سمجھ کر۔ اسے قادرِ مطلق سمجھتے ہیں تب ہی تو اسے پکارتے ہیں! اسے سمیع و بصیر سمجھتے ہیں تب ہی تو اسے پکارتے ہیں! اسے سمجھتے ہیں کہ وہ ہماری تکلیفیں رفع کر سکتا ہے تو اس سے استغاثہ کرتے ہیں' استدعا کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ((اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ))[2] ''دعا ہی اصل عبادت ہے''۔ ایک اور جگہ ارشادِ نبویؐ ہے: ((اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ))[3] ''عبادت کا جوہر دعا ہے''۔

عبادت کے ذیل میں پانچویں اور آخری بحث ہے خلوص و اخلاص۔ کوئی عبادت اللہ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہے جب تک کہ اُس میں خلوص اور اخلاص نہ ہو۔ خلوص اور اخلاص کی ضد ہے ریاکاری' یعنی محض لوگوں کو دکھانے کے لیے کوئی عمل کرنا۔ اسی کے

(۱) اس ضمن میں ماہر القادری مرحوم کا بڑا پیارا شعر ہے:۔

جو سجدے میں دل بھی جھکے گا نہ ماہرؔ
وہ کچھ اور شے ہے' عبادت نہ ہو گی! (مرتب)

(۲) سنن الترمذی' کتاب تفسیر القرآن عن رسول اللہ ﷺ' باب ومن سورۃ البقرۃ۔

(۳) سنن الترمذی' کتاب الدعوات عن رسول اللہ ﷺ' باب منہ۔

ساتھ ایک لفظ آتا ہے ''سُمعَہ''۔ یعنی محض لوگوں کو سنانے کے لیے کوئی عمل انجام دینا۔ ''ریا'' ہے دکھانا اور ''سُمعَہ'' ہے سنانا۔ تو عبادت میں جب ریا اور سُمعہ آجائیں گے تو وہ عبادت قبول نہیں ہوگی' اس لیے کہ خلوص و اخلاص جو قبولیت کی اصل شرط ہے' وہ مفقود ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس کو بھی واضح کیا گیا: ﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاءَ.....﴾ (البیّنۃ:۵) ''اور انہیں تو حکم بس یہی ہوا تھا کہ وہ اللہ کی بندگی کریں اپنے دین (غلامی اور اطاعت) کو اُس کے لیے خالص کرتے ہوئے' یک سو ہو کر۔'' اگر عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو بھی کچھ دکھانے اور سنانے کا عنصر شامل ہو گیا' لوگوں سے اپنی تعریف کرانا یا کوئی اور دُنیوی منفعت حاصل کرنا مقصد کے طور پر پیشِ نظر ہوا تو گویا خلوص اور اخلاص ختم ہوا اور عبادت میں ریا اور سُمعہ شامل ہو گئے اور اللہ کے ہاں ایسی عبادت مردود شمار ہوگی۔ تو عبادت کے یہ پانچ پہلو یا پانچ اجزاء ذہن میں متعین کر لیجیے۔ یعنی: (۱) اطاعت (۲) محبت (۳) مراسمِ عبودیت (۴) دعا' جو عبادت کا جوہر ہے' اور (۵) خلوص و اخلاص' جو قبولیتِ عبادت کی شرط ہے' اور اس کی ضد ہے ریا اور سُمعہ۔

اب ہم اِن پانچ عنوانات کے تحت یہ سمجھیں گے کہ ''شرک فی العبادت'' ہے کیا! اس میں کچھ اشکالات آپ کے ذہنوں میں لامحالہ آئیں گے۔ چونکہ یہ مضامین عام طور پر سامنے نہیں آتے' ہم نے محض چند چیزوں کو متعین کر رکھا ہے کہ بس شرک یہی ہے اور اس شرک کی ہمہ گیری اور اس کی وسعت اکثر و بیشتر ہمارے سامنے نہیں ہے' لہٰذا جب یہ باتیں سامنے آتی ہیں تو بہرحال انسان چونکتا ہے۔ اور اس حوالے سے ایک سوال جو قدم قدم پر سامنے آئے گا وہ یہ ہے کہ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ ہر گناہ شرک ہے! لیکن ابھی ذرا اس اشکال' یا اس سوال یا اس اشتباہ کو ایک طرف رکھیے! میں اِن شاء اللہ آخر میں پوری وضاحت کے ساتھ اس کا جواب دوں گا۔ ابھی میں جو باتیں کہہ رہا ہوں پہلے ذرا اِن کے دلائل پر توجہ کرتے ہوئے اور ان کے face value پر ان کو سمجھئے کہ وہ صحیح ہیں یا نہیں' دل کو لگتی ہیں یا نہیں۔ میں اِن شاء اللہ الجبرا کے فارمولوں کے طریقے پر یہ

باتیں آپ کے سامنے رکھوں گا۔

شرک فی الاطاعت

سب سے پہلی چیز اطاعت ہے۔ اب دیکھئے کہ ''شرک فی الاطاعت'' کیا ہے؟ اطاعت کا مفہوم وسیع ہے۔ اطاعت اللہ کی بھی ہے' اطاعت اس کے رسول ﷺ کی بھی ہے اور اطاعت اولوالامر کی بھی ہے۔ اولوالامر کوئی ایک ہی شخص نہیں ہوتا' بلکہ مسجد میں جو امام یا خطیب ہے وہ وہاں کا والیٔ امر ہے۔ کسی بستی کے اندر جو ذمہ دار فرد ہے وہ وہاں کا والیٔ امر ہے۔ کسی صوبے کا جو گورنر ہے وہ والیٔ امر ہے۔ آپ کا جو سربراہِ ریاست ہے وہ والیٔ امر ہے۔ اور نمعلوم کتنے والیانِ امر موجود ہیں۔ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَّكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ))(۱) ''تم میں سے ہر ایک کی حیثیت ایک چرواہے کی ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی''۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایک عورت کو اپنے شوہر کے گھر پر اس کے مال اور اولاد پر اختیار حاصل ہوتا ہے' لہٰذا اُس سے اس کے بارے میں پُرسش ہوگی۔ اولاد اپنی والدہ کی اطاعت کرتی ہے' اس کا کہنا مانتی ہے۔ اب وہ اپنی اولاد کو اللہ کی اطاعت کی طرف لے گئی ہے یا اللہ کی معصیت کی طرف' اس سے اس بارے میں باز پرس ہوگی۔ اسی طرح ایک شخص جو خاندان کا سربراہ ہے' وہ اپنے گھر میں والیٔ امر ہے۔ اُس سے بیوی بچوں کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ وہ انہیں اللہ کی بندگی کی طرف لے گیا ہے یا اللہ کی معصیت اور بغاوت کی طرف۔ تو ہر ہر شخص اپنی اپنی سطح پر والیٔ امر ہے' ہر ہر شخص کی حیثیت ایک چرواہے کی ہے۔ تو اب اس اطاعت میں اصول کیا ہوگا؟ یعنی بڑوں کی اطاعت' والدین کی اطاعت' اساتذہ کی اطاعت' علماء کی اطاعت' مرشدین کی اطاعت' حکمرانوں کی اطاعت وغیرہ میں ''توحید فی الاطاعت'' کیا ہے اور ''شرک فی الاطاعت'' کیا ہے؟ اسے نبی اکرم ﷺ کی احادیثِ مبارکہ کی

(۱) صحيح البخاری' كتاب الجمعة' باب الجمعة فی القری والمدن۔ وصحيح مسلم' كتاب الامارة' باب فضيلة الامام العادل.....

روشنی میں سمجھئے۔اس ضمن میں ہمیں یہ اصول دے دیا گیا ہے کہ:

((لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ))(۱)

''کسی مخلوق کی اطاعت نہیں کی جائے گی اس معاملے میں جس میں خالق کی معصیت لازم آ رہی ہو۔''

مخلوق کی اطاعت کا انکار نہیں ہے' والدین کی اطاعت کرو' بڑوں کی اطاعت کرو' سپیریئرز کی اطاعت کرو' حکام کی اطاعت کرو' اساتذہ کی اطاعت کرو' اگر دینی اعتبار سے کسی کے ساتھ اپنے آپ کو منسلک کیا ہے تو اس کی اطاعت کرو' لیکن کسی کی اطاعت اللہ کی معصیت میں نہیں ہوگی' کوئی بھی اگر تمہیں اللہ کے حکم کے خلاف حکم دے گا تو اب اُس کی اطاعت نہیں ہوگی۔ وہاں ان کی اطاعت کا دائرہ ختم ہو جائے گا۔اب ان کی معصیت لازماً کی جائے گی اور اللہ کی معصیت ہرگز نہیں کی جائے گی۔لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ کی اطاعت سپریم ہے' باقی تمام اطاعتیں اُس کی اطاعت کے دائرے کے اندر اندر ہیں تو یہ ''توحید فی الاطاعت'' ہے۔اور اگر کسی ایک اطاعت کو بھی اس دائرے سے باہر نکال کر اللہ کی اطاعت کے ہم پلہ کر لیا گیا تو یہ شرک ہے۔اور اگر اللہ کی اطاعت سے اوپر لے گئے تو یہ شرک سے بھی زیادہ گھناؤنی بات ہے۔یہ ایسی بات ہے کہ ہر شخص کا دل اس کی گواہی دے گا اور عقلِ عام اسے تسلیم کرے گی۔

اب ذرا اِس فارمولے کو apply کیجیے اور یہ انتہائی کٹھن مرحلہ ہے۔اس کے لیے میں ایک مثال خالص انفرادی سطح پر دوں گا اور ایک مثال اجتماعیت کی بلند ترین چوٹی کی دوں گا۔اور ان دو کے مابین جو مدارج و مراتب ہیں' جو خلا ہے اس کو خود پُر کر لیجیے!اب خالص انفرادی سطح پر دیکھئے کہ میرا ایک نفس ہے جو مجھے اللہ کے حکم کے خلاف حکم دیتا ہے۔جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا تھا:

﴿وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ .....﴾(یوسف:۵۳)

''اور میں اپنے نفس کو بری نہیں ٹھہراتا' یقیناً نفس تو برائی پر اکساتا ہی ہے''۔

اب اصل مسئلہ میرے لیے ہے' اور وہ یہ کہ ایک طرف اللہ کا حکم ہے اور ایک

(۱) سنن الترمذی' کتاب الجهاد' باب ما جاء لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق۔

طرف میرے نفس کا حکم ہے۔ ایک مرضی میرے مولیٰ کی ہے اور ایک خواہش میرے نفس کی ہے۔ میں چکی کے دو پاٹوں کے درمیان آ گیا ہوں۔ جیسے کسی شاعر نے کہا ہے: ؎

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ ای
باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہوشیار باش!

کہ تو نے مجھے ایک تختے پر باندھ کر سمندر کے اندر پھینک دیا ہے' اور تو چاہتا مجھ سے یہ ہے کہ میرا دامن تر نہ ہونے پائے۔ تو انسان چکی کے دو پاٹوں کے درمیان ہے۔ ایک طرف اس کے ساتھ وہ نفس لگا ہوا ہے جس کے بارے میں خود قرآن یہ کہہ رہا ہے: ﴿اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ﴾ اور ساتھ ہی یہ کہا جاتا ہے کہ ع ''ہشدار کہ راہ بر دمِ تیغ است قدم را'' کہ ہوشیار رہو' کہیں تمہارا قدم معصیت کی کسی دلدل کے اندر پھنس نہ جائے! نفس کے ساتھ یہ کشمکش ہر روز' ہر ساعت اور ہر آن ہے۔ فرض کیجیے آپ نے اذان سن لی ہے اور آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ نماز کا بلاوا آ چکا ہے' میرے ربّ کا حکم یہ ہے کہ میں اُس کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤں' جبکہ دوسری طرف میرے نفس کا بھرپور تقاضا ہے کہ ابھی سوئے رہو' آرام کرو' یہ چھوڑو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا مطالبہ ہے' پہلا میرا تقاضائے استراحت پورا کرو۔ اب آپ سوچیے کہ آپ نے دو اطاعتوں میں سے کس کو مؤخر کیا اور کس کو مقدم کیا! کس کو اوپر کر دیا اور کس کو نیچے کر دیا! انسان نے کس چیز کو مقدم کرنا ہے اور کس چیز کو مؤخر کرنا ہے (مَا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ) یہ فیصلہ خود اسے کرنا ہے۔ اور یہی ہے وہ کٹھن مرحلہ جو انسان کو ہر لحظہ طے کرنا پڑتا ہے۔

علامہ اقبال نے کہا تھا: ؎

بُتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

شرک اور کس بلا کا نام ہے؟ شرک فی الاطاعت اگر کسی شے کا نام ہے تو وہ اس کے سوا

اور کیا ہے کہ یہاں نفس کو اللہ کے برابر کر دیا' بلکہ اُس سے بھی اوپر لے گئے۔ اللہ کا حکم تابع ہو گیا ہے نفس کی خواہش کے' اور یہی شرک ہے۔ اس کے لیے اگر کوئی سند چاہیے تو قرآن مجید میں دو جگہ یہ مضمون آیا ہے۔ سورۃ الفرقان میں ارشاد ہے: ﴿اَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ﴾ (آیت ۴۳) ''(اے نبیؐ!) کیا آپ نے دیکھا اُس شخص کو جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا الٰہ بنا لیا؟'' اور سورۃ الجاثیۃ میں ہے: ﴿اَفَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ﴾ (آیت ۲۳)۔ قرآن مجید اپنے مطالب و مفاہیم میں بہت واضح ہے' یہ کتابِ مبین ہے۔ اسلام میں داخلے کا نقطۂ آغاز یا بالفاظِ دیگر ''شاہدرہ'' کلمۂ طیبہ ہے: ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ'' اور مذکورہ بالا آیات میں بھی یہی لفظ ''اِلٰـهَ'' آیا ہے کہ: ﴿اَفَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ﴾ تو (اے نبیؐ!) کیا آپ نے دیکھا اُس شخص کو جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا الٰہ بنایا ہوا ہے؟'' زبان سے تو کہہ رہا ہے 'لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ' جبکہ اس کا اپنا نفس اور اپنی خواہش الٰہ بنی ہوئی ہے۔

ہم ایک بہت بڑے مغالطے میں مبتلا ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ الٰہ اور معبود بس وہی ہے جس کے آگے ہاتھ جوڑ کر آدمی کھڑا ہو' جس کے سامنے سجدہ کیا جا رہا ہو' جس کی ڈنڈوت کی جائے' کوئی چڑھاوا چڑھایا جائے۔ قبروں پر چڑھاوے چڑھائے جائیں تو ہماری رگِ توحیدی پھڑک اٹھتی ہے کہ یہ تو شرک اور کفر ہو رہا ہے! لیکن ہم اپنے نفس کے گلے میں جو ہار ڈالتے رہتے ہیں اور اپنے وجود کے اندر ہی اندر اپنے نفس کے آگے جو دست بستہ کھڑے رہتے ہیں یہ ہمیں نظر نہیں آتا' صرف اس لیے کہ یہ ہماری نگاہوں کے سامنے نہیں ہے۔ لیکن اس سے دھوکہ نہ کھائیے' جیسے وہ بُت الٰہ اور معبود ہے جس کو سجدہ کیا جا رہا ہے ویسے ہی یہ نفس بھی الٰہ اور معبود ہے جس کی خواہش کو اللہ کی مرضی پر مقدم کیا جا رہا ہے۔ یہ نفس بھی مطالبہ کرتا ہے کہ مرضی میری چلے گی' میں نہیں جانتا اللہ کا حکم کیا ہے۔ بالکل وہی انداز ہے جیسے فرعون نے کہا تھا کہ اے موسیٰ! میں نہیں جانتا اپنے سوا تمہارے لیے کوئی الٰہ۔ یہ تم کس کا نام لے رہے ہو؟ میں مالک ہوں مصر کا' یہاں پر میرا حکم چلے گا۔

مولانا روم جو ترجمانِ حقیقت ہیں[1]، ان کا بڑا پیارا شعر ہے: ؎

نفسِ ما ہم کم تر از فرعون نیست
لیک اُو را عون ایں را عون نیست

یعنی میرا نفس بھی فرعون سے کم نہیں ہے۔ جو اُس نے کہا تھا وہی یہ نفس کہتا رہتا ہے کہ میں نہیں جانتا کسی اللہ کو، میں نہیں مانتا اس کے حلال اور حرام کو، میں نہیں تسلیم کرتا اس کے کسی حکم کو، بلکہ مرضی میری چلے گی اور تمہیں ماننی پڑے گی، تمہیں میرے حکم کے سامنے سر جھکانا ہوگا۔ بس زبان سے میں یہ بات اس لیے نہیں کہہ سکتا کہ میرے پاس فوج نہیں، لاؤ لشکر نہیں، جبکہ فرعون کے پاس لاؤ لشکر تھا، اس کے پاس بہت بڑا تختِ حکومت تھا، لہٰذا اُس نے زبان سے بھی کہہ دیا تھا: ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الۡاَعۡلٰى﴾ (النّٰزعٰت) ''میں ہی تمہارا ربِّ اعلیٰ ہوں''۔

تمام نقلی اور عقلی دلائل سے یہ بات واضح طور پر سمجھ میں آ رہی ہے کہ تمام اطاعتیں اگر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے تابع ہو جائیں، کوئی اطاعت اللہ کی اطاعت کے ہم پلہ نہ ہو، اس سے بالاتر نہ ہو تو یہ ''توحید فی الاطاعت'' ہے۔ اور اس کے برعکس جہاں بھی کوئی اطاعت اللہ کی اطاعت کے مساوی ہو گئی، یا اس سے بھی بالا ہو گئی، تو یہ ''شرک فی الاطاعت'' ہے۔

''شرک فی الاطاعت'' کی اجتماعی صورتیں

اب ذرا اجتماعی سطح پر دیکھئے! اجتماعیاتِ انسانیہ کی بلند ترین سطح ریاست کا تصور ہے، اور یہ تصور حال ہی میں سامنے آیا ہے۔ اس سے پہلے ہمارے ہاں حکومت کا تصور تھا، ریاست کا نہیں تھا۔ ریاست تو ایک فرضی (hypothetical) ادارہ تھی، ایک

(۱) مولانا روم کی مثنوی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ:

''مثنویٔ مولویٔ معنوی
ہست قرآں در زبانِ پہلوی''

اگرچہ اس میں بہت مبالغہ ہے، اس لیے کہ قرآن مجید کے ہم پلہ تو کوئی چیز نہیں ہو سکتی، لیکن یہ اس معنی میں کہا گیا ہے کہ قرآنی مضامین کو مولانا روم نے بہت خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔

مجردسی اس کی حیثیت تھی۔ جبکہ حالیہ تصور یہ ہے کہ حکومت اور چیز ہے ریاست اور چیز ہے‘ اور حکومت کی حیثیت ریاست کو چلانے والی مشینری کی ہے۔ ریاست میں سب سے پہلی چیز جو طے ہوتی ہے وہ حاکمیت کا اصول ہے کہ اس ریاست میں حاکمیت کس کی تسلیم کی جا رہی ہے‘ آخری اختیار کس کے پاس ہے‘ قانون سازی کا آخری حق کس کے ہاتھ میں ہے؟ اب اس اجتماعی سطح پر توحید یہ ہے کہ: ﴿اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ﴾ ’’حکم صرف اللہ کے لیے ہے‘‘۔ حاکمیت کا اختیار سوائے اللہ کے کسی کے لیے نہیں۔ اس نظریے کی جہاں بھی نفی ہو گی وہ شرک ہے۔ آپ نے حاکمیت کسی اور کے لیے تسلیم کی تو شرک ہو گیا۔ بقول اقبال: ؎

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بُتانِ آزری

حقائقِ قرآنی کی ترجمانی میں ایک وقت میں جو مقام و مرتبہ مولانا روم کا تھا اِس زمانے میں وہی مقام و مرتبہ علامہ محمد اقبال کا ہے۔ اگرچہ علامہ اقبال کو مولانا روم سے کوئی شخصی نسبت نہیں ہے‘ اس لیے کہ وہ نہ صرف اپنے فکر میں بہت بلند تھے‘ بلکہ اپنے عمل میں بھی بہت بلند تھے‘ جبکہ علامہ اقبال کا عمل کا پہلو بہت کمزور ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کو معاف فرمائے‘ ان کی فروگزاشتوں سے درگزر فرمائے! لیکن فکر کے اعتبار سے واقعتاً دونوں میں قطعاً کوئی فرق نہیں ہے۔ جس سطح پر مولانا روم تھے اسی سطح پر اِس دَور میں علامہ اقبال ہیں۔ اور انہوں نے کس خوبصورتی سے حاکمیت کے تصور کو بیان کیا ہے! اقبال بار بار کہتے ہیں کہ میں شاعر ہوں ہی نہیں‘ میں تو شاعری کو صرف ایک ذریعے کے طور پر استعمال کر رہا ہوں۔ ؎

نغمہ کجا و من کجا سازِ سخن بہانہ ایست
سوئے قطار می کشم ناقۂ بے زمام را

آپ دیکھئے یہ کوئی شاعری تو نہیں ہے۔ شاعری تو گل و بلبل کی شاعری ہوتی ہے‘ کاکل و رخسار اور زلفِ پیچاں کی شاعری ہوتی ہے۔ جبکہ یہاں شاعری ہو رہی ہے: ؎

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بُتانِ آزری

تو حاکمیتِ اعلیٰ کے اس اصول کو آپ جہاں توڑ دیں گے وہاں شرک ہو جائے گا۔ انسانی حاکمیت (human sovereignty) ہر حال میں شرک ہے' چاہے وہ بادشاہت اور ملوکیت (monarchy) ہو' چاہے جمہوریت (democracy) ہو اور چاہے مذہبی حکومت (theocracy) ہو۔ اگر کوئی فردِ واحد بیٹھا ہے کہ حاکم میں ہوں' میرے ہاتھ میں قانون سازی کا اختیار ہے' میری زبان سے نکلا ہوا لفظ قانون ہے' تو یہ بدترین شرک ہے۔ یہ تو ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ کی نفی ہوگئی! اسی طرح عوامی حاکمیت (popular sovereignty) بھی بدترین شرک ہے کہ جمہور اختیار کے مدعی بن کر سامنے آ جائیں کہ حاکمیت ہماری ہے۔ اس دَور کا سب سے بڑا اور سب سے عام شرک یہی ہے۔ بُت پرستی والے شرک کا دَور گزر گیا ہے۔ اب ہندوستان میں بھی شاید ایک دو فیصد لوگ ہی ہوں جو بُتوں کی ڈنڈوَت کرتے ہوں' اب جو شرک ہیں وہ بالکل دوسرے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر دَور میں شرک جو بھی نیا لبادہ اوڑھ کر آتا ہے اس کو انسان سمجھے۔ بقولِ اقبال: ؎

ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر

جب آدمی کو ذرا شعور حاصل ہوا تو اُس نے فردِ واحد کی حکومت کو ماننے سے انکار کر دیا اور عوامی حاکمیت کو تسلیم کر لیا۔ حالانکہ دینی اعتبار سے بات وہی ہے' وہ بھی شرک ہے اور یہ بھی شرک ہے۔

اسی طرح مذہبی حکومت یا پاپائیت (theocracy) کا نظریہ بھی شرک ہے' جس میں کوئی مذہبی طبقہ اپنے ہاتھ میں اختیار لے کر بیٹھ جاتا ہے کہ وہ جو چاہے قانون بنا دے۔ یورپ میں جو پاپائیت کا نظام رائج رہا ہے وہ بدترین شرک ہے۔ قرآن مجید نے اس پر بہت بڑی فردِ جرم عائد کی ہے کہ: ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ

دُوْنِ اللّٰہِ﴾ (التوبۃ: ۳۱) ''انہوں نے اپنے علماء اور صوفیوں کو اللہ کے علاوہ اَرباب بنا لیا ہے''۔ یعنی ان کو معبود بنائے بیٹھے ہیں۔ حاتم طائی کے بیٹے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ عیسائیت سے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے' اس آیت کے بارے میں انہوں نے بڑے ادب سے نبی اکرم ﷺ سے عرض کی کہ حضور ﷺ! یہ بات سمجھ میں نہیں آئی' میں عیسائی رہا ہوں اور ہم نے اپنے احبار اور رُہبان کو خدا نہیں بنایا۔ یہ ایک بہت بڑا اشتباہ تھا کہ قرآن مجید عیسائیت پر اتنا بڑا چارج لگا رہا ہے۔ اس پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اَمَا اِنَّھُمْ لَمْ یَکُوْنُوْا یَعْبُدُوْنَھُمْ وَلٰـکِنَّھُمْ کَانُوْا اِذَا اَحَلُّوْا لَھُمْ شَیْئًا اسْتَحَلُّوْہُ وَاِذَا حَرَّمُوْا عَلَیْھِمْ شَیْئًا حَرَّمُوْہُ)) (۱)

''کیا ایسا نہیں ہے کہ وہ (عیسائی) ان (اَحبار و رُہبان) کی بندگی تو نہیں کرتے تھے مگر وہ ان کے لیے جب کوئی چیز حلال ٹھہراتے تو وہ اسے حلال سمجھ بیٹھتے تھے اور وہ ان پر جب کوئی چیز حرام قرار دیتے تو وہ اُسے حرام سمجھ بیٹھتے تھے؟''

اس لیے کہ شریعتِ موسوی تو ختم ہوگئی تھی' اب قانون کا حق پوپ کے ہاتھ میں اور اس کے نمائندوں کے ہاتھ میں تھا کہ پوپ جس چیز کو چاہے حلال ٹھہرا دیں اور جس چیز کو چاہے حرام ٹھہرا دیں۔ تو جس کے ہاتھ میں یہ اختیار آ گیا وہی تو خدا ہے۔ لہٰذا بادشاہت وملوکیت' مذہبی حاکمیت اور جمہوریت تینوں ہی شرک کی شکلیں ہیں۔

آج جمہوریت اور عوام کی حاکمیت کا دَور ہے۔ اور جیسے بادشاہ کی حاکمیت اور مذہبی راہنما یا مذہبی طبقہ کی حاکمیت شرک ہے اسی طرح یہ بھی اجتماعی سطح پر شرک ہے۔ ہاں اگر بادشاہ خود بھی اللہ کے قانون کا پابند ہو' اور اللہ ہی کے قانون کو نافذ کر رہا ہو تو یہ شرک نہیں ہے۔ حضراتِ داؤد اور سلیمان علیہما السلام یقیناً شرک کرنے والے نہیں تھے' جبکہ نمرود اور فرعون شرک کرنے والے تھے۔ اسی طرح مذہبی طبقہ اگر اپنی مرضی سے نہیں بلکہ قرآن مجید (یا اپنے اپنے دَور میں تورات' انجیل' زبور) کے مطابق حکم دے رہا ہو اور اس کے ہاتھ میں انتظامی اختیارات ہوں تو یہ شرک نہیں ہوگا۔ یہ خدائی حاکمیت کے

(۱) سنن الترمذی' کتاب تفسیر القرآن عن رسول اللہ ﷺ' باب ومن سورۃ التوبۃ۔

تصور کے تحت ایک مذہبی حکومت ہو جائے گی کہ اختیارِ مطلق اللہ کا ہے‘ لیکن انتظامی امور مذہبی طبقے کے ہاتھ میں ہیں۔ حضرت طالوت سے پہلے پہلے بنی اسرائیل میں جو نظام رہا ہے وہ اسی نوعیت کا نظام تھا۔ حدیثِ مبارکہ ہے کہ:

((كَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبِيَاءُ))(۱)

’’بنی اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاء کرتے تھے‘‘۔

چنانچہ ایک جمہوریت اگر یہ طے کر لے کہ اصل تشریع کا حق اللہ کا ہے اور جو بھی پارلیمنٹ یا کانگریس ہے اس کے اختیارات کتاب وسنت کے دائرے کے اندر اندر محدود ہیں تو وہ جمہوریت اب شرک نہیں ہوگی‘ لیکن مطلق جمہوریت‘ مطلق بادشاہت و ملوکیت‘ مطلق تھیوکریسی شرک ہے۔ تو ابتدا سے لے کر انتہا تک اصول یہی ہے کہ مطلق اطاعت صرف اللہ کا حق ہے‘ باقی سب کی اطاعت مشروط ہوگی اللہ کی اطاعت سے۔ یہ ہے ’’توحید فی الاطاعت‘‘ اور اس کو جہاں بھی مجروح کر دیا جائے گا وہ شرک کی کوئی شکل بن جائے گی‘ چاہے وہ خالص انفرادی سطح پر نفس پرستی ہو یا اجتماعی سطح پر حاکمیتِ غیر اللہ کا کوئی بھی تصور ہو۔ اللہ کے سوا کسی اور کی حاکمیت کا تصور بہر طور شرک ہو جائے گا۔

شرک فی المحبت

عبادت میں دوسری لازمی چیز ’’محبت‘‘ ہے۔ اب دیکھئے ’’شرک فی المحبت‘‘ کیا ہے اور ’’توحید فی المحبت‘‘ کیا ہے۔ قرآن مجید میں سورۃ البقرۃ کا بیسواں رکوع اس موضوع پر کلائمکس ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ﴾(البقرۃ:۱۶۵)

’’اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے سوا کچھ ہستیوں کو (اس کے) مدّ مقابل بنا لیتے ہیں‘ وہ ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے محبت ہونی چاہیے‘‘۔

یہاں ’’شرک فی المحبت‘‘ کا ذکر بھی آ گیا ہے اور ’’توحید فی المحبت‘‘ کا بیان بھی ہو گیا

(۱) صحیح البخاری‘ کتاب احادیث الانبیاء‘ باب ما ذکر عن بنی اسرائیل۔

ہے۔یعنی اگر کوئی ہستی یا کوئی ادارہ اتنا محبوب ہو جائے جتنا اللہ محبوب ہے‘ تو یہ ’’شرک فی المحبت‘‘ ہے۔اسی طرح محبت کے اندر توحید کیا ہے؟ فرمایا گیا:﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ؕ﴾ ’’اور جو لوگ واقعتاً ایمان والے ہیں وہ سب سے زیادہ سخت ہیں اللہ کی محبت میں‘‘۔یعنی ان کی ساری محبتوں پر غالب محبت اللہ کی ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اصل امتحان ہی محبت کا امتحان تھا اور آپؑ سارے امتحانات میں پاس ہو گئے تھے۔ والدین کی محبت کو انہوں نے اللہ کی محبت پر قربان کر دیا اور توحید کی خاطر والدین کے گھر کو چھوڑ دیا۔اپنی قوم کی محبت کو اللہ کی محبت پر قربان کر دیا۔وطن کو چھوڑ کر وطن کی محبت کو اللہ کی محبت پر قربان کر دیا۔جیسے انہوں نے فرمایا تھا:

﴿اِنِّیْ ذَاھِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ ۝۹۹﴾ (الصّٰفّٰت)

’’یقیناً میں تو اب اپنے ربّ کی طرف جا رہا ہوں‘ عنقریب وہ مجھے راہ یاب کر دے گا‘‘۔

اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آخری آزمائش بیٹے کی محبت کی تھی۔اور بیٹا بھی اکلوتا‘ جو ستاسی برس کی عمر میں دعائیں مانگ مانگ کر ملا‘ اور انتہائی حلیم الطبع بیٹا‘ جس کے رُوئیں رُوئیں سے سعادت مندی اور نیکی پھوٹ رہی تھی۔ذرا اندازہ کیجیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں اُس کے لیے کتنی محبت ہو گی! اب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آخری امتحان لیا کہ بیٹے کی محبت کہیں ہماری محبت سے بالاتر تو نہیں ہو گئی؟ ابراہیم! اسے بھی اگر تم ہمارے لیے‘ ہمارے حکم کے تحت ذبح کر سکتے ہو تب تو واقعتاً تم موحّد فی المحبت ہو گئے‘ اللہ کی محبت میں توحید کا مقام تم نے حاصل کر لیا‘ اور اگر یہاں ناکام ہو گئے تو جان لو کہ توحید کے امتحان میں ناکام ہو گئے۔پھر تو معلوم ہوا کہ ایک محبت ابھی ایسی ہے جو دل کے سنگھاسن پر اللہ کی محبت کے برابر بیٹھی ہے یا اس سے بھی بالاتر ہو گئی ہے۔یہ آخری امتحان تھا محبت کا‘ جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سرخرو ہو گئے ـــــ اور یہ ہے ’’توحید فی المحبت۔‘‘

’’شرک فی المحبت‘‘ کی دلیل کے لیے بھی دو آیات پیش کی جا رہی ہیں۔ایک تو

وہ آیت جس کا ہم نے ابھی مطالعہ کیا:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ﴾(البقرۃ:۱۶۵)

''اور لوگوں میں کچھ وہ بھی ہیں جو اللہ کے سوا کچھ ہستیوں کو (اس کے) مدّ مقابل بنا کر اُن سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے محبت کرنی چاہیے''۔

دوسری جگہ فرمایا گیا:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴿۲۴﴾﴾ (التوبۃ)

''(اے نبیؐ ان سے) کہہ دیجیے کہ اگر تمہیں اپنے باپ' اپنے بیٹے' اپنے بھائی' اپنی بیویاں' اپنے رشتہ دار اور اپنے وہ مال جو تم نے بڑی محنت سے جمع کیے ہیں اور اپنے وہ کاروبار جن کی کساد بازاری کا تمہیں خوف رہتا ہے اور اپنے وہ مکانات جو تمہیں پسند ہیں (جنہیں تم نے بہت شوق اور ارمانوں سے بنایا ہے) زیادہ محبوب ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے تو جاؤ انتظار کرو (دفع ہو جاؤ) یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ سامنے لے آئے۔ اور اللہ ایسے فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

اس لیے کہ یہ مشرک ہیں' یہ ''شرک فی المحبت'' کے اندر مبتلا ہیں۔ انہیں یہ آٹھ چیزیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں۔

اب ذرا اس اصول کو الجبرا کے فارمولے کی طرح عملی زندگی میں apply کیجیے!

قرآن مجید میں فرمایا گیا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ﴾ (النساء:۱۳۵)

''اے اہل ایمان! انصاف کے علمبردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو اگرچہ وہ (انصاف کی بات اور گواہی) تمہارے اپنے خلاف یا والدین اور رشتہ داروں

کے خلاف جاتی ہو''۔

آپ اپنے گروہی اور فرقہ وارانہ تصورات لیے بیٹھے ہیں' ان پر ذرا سی آنچ آتی ہے تو آپ تلملا اٹھتے ہیں ۔اگر آپ کے بارے میں یہ کہا جائے کہ شرک سے بچے ہوئے آپ بھی نہیں ہیں تو بہرحال غصہ تو آئے گا۔لیکن ذرا غور تو کیجیے اور حقیقت کو سمجھئے' دوسروں پر شرک کے فتوے جڑ دینا آسان ہے' دوسرے کی آنکھ کے اندر تنکا بھی نظر آ جاتا ہے لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔قرآن مجید سے سمجھئے کہ ''شرک فی المحبت'' کیا ہے۔

مال سے انسان کو بہت محبت ہے۔نبی اکرم ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ ہے۔اسے آپؐ کی بددعا بھی کہا جا سکتا ہے اور خبر یہ کلام بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔آپؐ نے فرمایا:((تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ وَعَبْدُ الدِّرْهَمِ))(۱) ''ہلاک ہو جائے (یا ہلاک ہوا) درہم و دینار کا بندہ۔''

دیکھئے نبی اکرم ﷺ نے یہاں ''عبد'' کا لفظ استعمال کیا ہے' جیسے سورۃ الفرقان کی آیت ۴۳ اور الجاثیۃ کی آیت ۲۳ میں ''الٰہ'' کا لفظ لایا گیا ہے' تاکہ کوئی اشکال اور اشتباہ باقی نہ رہے' اِدھر اُدھر سے بچ نکلنے کا کوئی موقع نہ رہے۔جسے مال بہت محبوب ہے اسے آپؐ نے عبدالدرہم اور عبدالدینار کہا ہے۔اس لیے کہ وہ چاہتا ہے کہ بس مال آنا چاہیے' چاہے حلال سے آئے یا حرام سے آئے۔اب اگر آپ کے دل میں مال کی محبت اِس قدر ہے تو آپ کا محبوب اور معبود مال ہوا۔اس لیے کہ جو چیز محبوب ہے وہی معبود ہے۔اب آپ کے معبود دو ہو گئے۔آپ اللہ کے لیے بھی سجدے کرتے ہیں اور مال بھی آپ کا معبود ہے' اگرچہ آپ لکشمی دیوی کو نہیں پوجتے' خود اس کے پجاری بھی اس لکشمی کو نہیں پوجتے' بلکہ دولت کو پوجتے ہیں' لکشمی تو درحقیقت اُن کے ہاں ایک علامت ہے' پجاری تو اصل میں وہ دولت کے ہیں۔اسی طرح ہم نے بھی اگرچہ لکشمی کو دیوی قرار دے کر اس کی مورتی نہیں بنائی لیکن اس کی پوجا کا جو اصل

(۱) صحیح البخاری' کتاب الجهاد والسیر' باب الحراسة فی الغزو فی سبیل الله۔

مقصود ہے وہ تو ہم کر رہے ہیں۔ لہٰذا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ہلاک ہو گیا (یا ہلاک ہو جائے) درہم و دینار کا بندہ''۔ اب چاہے اس نے اپنا نام عبداللہ یا عبدالرحمٰن رکھا ہو لیکن اس کی اصل اور معنوی شخصیت عبدالدینار اور عبدالدرہم کی ہے۔ یہ خالص انفرادی سطح کی بات ہے اور محمدٌ رسول اللہ ﷺ یہ بات فرما رہے ہیں۔

اجتماعی سطح پر ''شرک فی المحبت'' کی صورت

اجتماعی سطح پر دیکھئے کہ ''توحید فی المحبت'' کیا ہے اور ''شرک فی المحبت'' کیا ہے۔ اس دَور کے جو اجتماعی تصورات ہیں ان میں ایک تصور وطن کی بنیاد پر قوم پرستی (nationalism) کا ہے۔ پچھلے زمانے کی قوم پرستی اکثر و بیشتر نسل کی بنیاد پر ہوتی تھی اور جو تصادم ہوتا تھا وہ بھی نسلی بنیاد پر ہوتا تھا' جبکہ انیسویں اور بیسویں صدی کا جو سب سے بڑا سیاسی تصور یورپ نے دیا ہے وہ وطنی قوم پرستی کا تصور ہے کہ ایک وطن کے اندر رہنے والے سب ایک قوم ہیں اور مذہب ہر ایک کا ذاتی مسئلہ ہے' چاہے کوئی ہندو ہو' سکھ ہو' پارسی ہو' عیسائی ہو' اس سے حکومت کو بحث نہیں ہے۔ ریاست سیکولر ہے' ریاست کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں جو بھی اس حدود کے اندر رہنے والے ہیں ان کو قومیت (nationality) مل جائے گی کہ وہ اس وطن کے رہنے والے ہیں اور اس ریاست کے شہری ہیں۔ اب ظاہر بات ہے کہ ہر اجتماعیت کو لازماً کوئی چیز ایسی چاہیے جو مرکزِ محبت بن جائے۔ اس لیے کہ اگر کسی چیز کے ساتھ جذباتی لگاؤ نہیں ہو گا تو اس کے ساتھ کیسے جڑیں گے' کیسے بنیانِ مرصوص بنیں گے' خطرات کا مقابلہ کیسے کریں گے؟ لہٰذا اِس دَور میں جو اصل معبود تراشا گیا ہے وہ وطن ہے۔ وطن کی محبت اور عظمت کے گن گائے جاتے ہیں' وطن کی آن پر کٹ مرنے کا درس دیا جاتا ہے' وطن کا نعرہ لگایا جاتا ہے۔ وطن کے جھنڈے کے سامنے باادب کھڑے ہو کر اسے سلامی دی جاتی ہے۔ وطن کا ایک ترانۂ حمد بھی ہوتا ہے جس کو قومی ترانہ کہا جاتا ہے۔ یہ مذہبِ وطنیت ہے جس کے یہ مراسمِ عبودیت ہیں۔ یہ اِس دَور کا نیا شرک ہے اور اس کو ہمارے علماء میں سے کوئی نہیں سمجھ پایا۔ میں علامہ اقبال کی عظمتِ فکر کا اسی لیے قائل ہوں کہ اِس

حقیقت کو سمجھنے والے اِس دَور میں صرف علامہ اقبال تھے۔ جس طرح انہوں نے حاکمیتِ اعلیٰ کے نظریے کو واضح کیا ہے' اسی طرح انہوں نے ''وطنیت'' کے بُت پر کاری ضرب لگائی ہے۔ ملاحظہ ہو: ؎

اِس دَور میں مے اور ہے' جام اور ہے' جم اور
ساقی نے بِنا کی روشِ لطف و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
اِن تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

اقبال کے جذبے اور احساس کی شدت کا عالم دیکھئے! اس لیے کہ اُن کا مشاہدہ بہت گہرا تھا' انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ کتنا پانی دریائے راوی کے پل کے نیچے سے گزر چکا ہے۔ اب لات' منات' عزیٰ اور ہبل کی پوجا کا زمانہ گزر چکا ہے' اِن بُتوں کے پجاری آج نہیں ملیں گے' آج پوجا کسی اور شے کی ہو رہی ہے' اور اس جگہ پر سب سے بڑا بُت وطن ہے۔ اب ہمارے ہاں بھی یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ اس لیے کہ ہم نے اِن چیزوں کی حقیقت پر غور نہیں کیا۔ یہ جھنڈے کی سلامی چہ معنی دارد؟ یہ دراصل وطن کے مراسمِ عبودیت میں سے ہے کہ جب قومی ترانہ گایا جا رہا ہو تو آپ جھنڈے کے سامنے ساکت و صامت کھڑے ہو جائیں۔ یہ گویا وطن کی نماز ہے جو پڑھی جا رہی ہے اور ہم نے اسے سمجھا نہیں ہے۔ ہر مذہب میں اپنے معبود کے ساتھ محبت کے اظہار اور اُس کی عظمت کے اقرار کے لیے کچھ شکلیں اختیار کی جاتی ہیں' اسی طرح وطن کی محبت کے اظہار اور اس کی عظمت کے اقرار کے لیے اس کے جھنڈے کو عاجزی کے ساتھ سلامی دی جاتی ہے۔ یہ مذہبِ وطنیت جو یورپ کا ایجاد کردہ تھا' اس کی تمام مذہبی رسومات (rituals) کو ہم نے جوں کا توں قبول کر لیا ہے۔ یہ اُس مذہب کی رسومات ہیں جس کا معبود وطن ہے۔ اس کے بارے میں اقبال نے مزید کہا:

یہ بُت کہ تراشیدۂ تہذیبِ نوی ہے
غارت گرِ کاشانۂ دینِ نبویؐ ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے
نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے!
اے مصطفوی خاک میں اِس بُت کو ملا دے!

وطن کے اس بُت کو خاک میں ملا دینا علامہ اقبال کا پیغام ہے۔ دیکھئے وطن آپ کا معبود کیسے ہوا؟ اس لیے کہ آپ کی محبت کا مرکز وطن بن گیا ہے۔ اب آپ کے نزدیک جو سے وطن کے لیے اچھی ہے وہ اچھی ہے، چاہے فی نفسہٖ وہ جائز ہو یا ناجائز ہو۔ وطن کے لیے آپ کو دوسروں پر ظلم کرنا پڑ رہا ہے تو آپ کر رہے ہیں۔ اپنے وطن کی جے بولی جا رہی ہے۔ کبھی اعلیٰ ہبل کے نعرے لگا کرتے تھے، لیکن اب وطن کے نعرے ہیں۔ اس زمین نے درحقیقت آج دیوتا کی شکل اختیار کر لی ہے اور اس کی بنیاد پر قومیت کا تصور ہے جو آج کے اجتماعی تصورات میں اہم ترین تصور ہے۔

بہرحال ''توحید فی المحبت'' یہ ہے کہ محبت کا اصل مرکز ذاتِ باری تعالیٰ ہو، تمام محبتیں اس کے تابع ہو جائیں —— اور ''شرک فی المحبت'' یہ ہے کہ کسی شخص یا کسی ادارے یا کسی شے کی محبت اللہ کی محبت کے ہم پلہ ہو جائے یا اس سے بالاتر ہو جائے۔

اقول قولی هذا واستغفر الله لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات○○

سیرتِ نبویؐ

کے پانچ اہم درخشندہ پہلو

عتیق الرحمٰن صدیقی

نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی بے شمار خصائص اور اوصاف کی جامع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مراتبِ عالیہ سے سرفراز فرمایا اور قرآن حکیم میں جابجا ان کی صفاتِ کمال اور مناقب بیان فرمائے۔ نامساعد اور متخالف حالات میں کلماتِ تسکین سے ان کی ڈھارس بندھائی اور فرمایا کہ آپؐ اپنے منصبی فرائض کے ادا کرنے میں ذرا بھر جھجک محسوس نہ کریں، بہتان و افترا کے طوفانوں کو پرِ کاہ کے برابر بھی وقعت نہ دیں اور عزمِ راسخ کے ساتھ اپنی منزل کی جانب رواں دواں رہیں، فوز و فلاح آپؐ کا مقدر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب میں آپ ﷺ کی پانچ نہایت اہم صفات کا ذکر فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ۝﴾

''اے نبیؐ! ہم نے تمہیں بھیجا ہے گواہ بنا کر، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر اور اللہ کی اجازت سے اس کی طرف دعوت دینے والا بنا کر اور روشن چراغ بنا کر۔ بشارت دے دو ان لوگوں کو جو تم پر ایمان لائے ہیں کہ ان کے لیے اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہے۔''

ہم یہاں نبی اکرم ﷺ کی اِن پانچوں صفات کی وضاحت کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں محمد رسول اللہ ﷺ کو شاہد بھی فرمایا گیا ہے اور شہید بھی کہا گیا ہے۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ لکھتے ہیں:

''شہادت امر واقع کو بیان کرنا اور دوسرے شخص کو اپنے بیان کے ذریعے سے اس امر کا باور کرانا ہے۔ نبی ﷺ کی شہادت جسے حضور ﷺ نے ادا کیا اور جسے ادا فرما کر لوگوں کو تیقن کے درجہ تک پہنچایا امور ذیل کے متعلق تھی۔ ہستی باری تعالیٰ، تقدیس ذات وتنزیہہ صفات، سلسلۂ وحی، وجودِ نبوت، اعمال کا جزا وسزا سے تعلق، جزا وسزا کی حقیقت، وجود عالم معاد، عالمِ ارواح، علوم مابعد الطبیعہ۔ ان امور کو جس وضاحت اور کمال علم اور روشن دلائل اور برہین قاطعہ سے نبی ﷺ نے بیان فرمایا اور پھر اپنے گفتار وکردار سے اس صداقت کے تیقن کو ملحدوں اور دہریوں، منکروں اور مادہ پرستوں کے قلوب میں مستحکم فرمایا یہ حضور ﷺ ہی کا حصہ تھا..... حضور ﷺ نے اس شہادت کو دشت وجبل میں آشکارا کیا۔ بیاباں اور شہروں کے سمع وقلب تک پہنچایا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کے نعرہ سے فضائے ارض وسما کو بھر دیا اور سننے والوں کے دل ودماغ کو شک وانکار اور تذبذب وگمان کے ہوائے فاسد سے خالی کر دیا۔'' (رحمۃ للعالمین)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اس آیۂ کریمہ کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''نبی کو گواہ بنانے کا مفہوم اپنے اندر بڑی وسعت رکھتا ہے جس میں تین قسم کی شہادتیں شامل ہیں: ایک قولی شہادت، یعنی یہ کہ اللہ کا دین جن حقائق اور اصولوں پر مبنی ہے نبی ان کی صداقت کا گواہ بن کر کھڑا ہو اور دنیا سے صاف صاف کہہ دے کہ وہی حق ہیں اور ان کے خلاف جو کچھ ہے باطل ہے..... دوسرے عملی شہادت، یعنی یہ کہ نبی اپنی پوری زندگی میں اس مسلک کا عملاً مظاہرہ کرے جسے دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لیے وہ اٹھا ہے اس کے ہر شائبے سے اس کی زندگی پاک ہو۔ جس چیز کو وہ بھلائی کہتا ہے اس کی اپنی سیرت میں وہ پوری شان کے ساتھ جلوہ گر ہو، جس چیز کو وہ فرض کہتا ہے اسے ادا کرنے میں وہ سب سے بڑھ کر ہو، جس چیز کو وہ گناہ کہتا ہے اس سے بچنے میں کوئی اس کی برابری نہ کر سکے..... تیسرے اخروی شہادت یعنی آخرت میں جب اللہ کی عدالت قائم ہو اس وقت نبی اس امر کی شہادت دے کہ جو پیغام اس کے سپرد کیا گیا تھا وہ اس نے بے کم وکاست لوگوں تک پہنچا دیا اور ان کے سامنے اپنے قول اور عمل سے حق واضح کر دینے میں اس نے کوئی کوتاہی نہیں کی.....''

(تفہیم القرآن، جلد چہارم)

سید مودودیؒ شہادت کے مفہوم کی وضاحت کے ضمن میں مزید لکھتے ہیں:

''بعض لوگوں نے اس شہادت کو یہ معنی پہنانے کی کوشش کی ہے کہ نبی ﷺ آخرت میں لوگوں کے اعمال پر شہادت دیں گے اور اس سے وہ استدلال کرتے ہیں کہ حضورؐ تمام لوگوں کے اعمال کو دیکھ رہے ہیں' ورنہ بے دیکھے شہادت کیسے دے سکیں گے۔ لیکن قرآن مجید کی رُو سے یہ تاویل غلط ہے۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ لوگوں کے اعمال پر شہادت قائم کرنے کے لیے تو اللہ نے ایک دوسرا ہی انتظام فرمایا ہے۔ اس غرض کے لیے اس کے فرشتے ہر شخص کا نامۂ اعمال تیار کر رہے ہیں۔ (ملاحظہ ہو سورۂ قٓ آیات ۱۷' ۱۸ اور سورۃ الکہف آیت ۴۹)''

دراصل حضور نبی کریم ﷺ کو شاہد کے منصب جلیلہ پر متمکن کر کے انہیں ان ذمہ داریوں سے آگاہ کیا گیا ہے جو اس منصب سے وابستہ ہیں۔ نبی حقیقت میں اللہ کی مرضیات اور احکام کی گواہی دینے والا ہوتا ہے' اس کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی قوم کے لوگوں کو بتائے کہ اللہ نے انہیں کن باتوں کا حکم دیا ہے اور کن باتوں سے منع فرمایا ہے۔

''مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا'' کے بارے میں قاضی محمد سلیمان لکھتے ہیں:

''تمام قرآن پر نظر ڈال جائیے' کسی نبی کی نسبت علیہم وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام بشیر و نذیر دونوں لفظ وارد نہیں ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ کی شان میں مُبَشِّرٌ وَمُنذِرٌ کے لفظ بھی ہیں اور بشیر و نذیر بھی۔ اور چونکہ یہ فضیلت جامعیت نبی کریم ﷺ ہی کی ذات مبارک میں پائی گئی ہے اس لیے یہ اوصاف حضور ﷺ کے عُلوِّ مرتبتِ نبوت کا اظہار کرنے میں خاص ہیں''۔

مبشر کے معنی بشارت یعنی خوشخبری دینے والے کے ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی امت کے نیک اور شریعت کے پابند لوگوں کو خوشخبری سنانے والے ہیں۔ انذار کے معنی بالعموم ڈرانا کیے جاتے ہیں' لیکن ڈرانا' انذار کے مفہوم کو پوری طرح واضح نہیں کرتا بلکہ اس کے مفہوم کو الٹ دیتا ہے۔ انذار کے معنی یہ ہیں کہ آدمی کو اس کے ہونے والے نقصان سے آگاہ (warn) کر دیا جائے۔ گویا جو لوگ نبی کریم ﷺ کے پیغام کو قبول کر لیں آپؐ ان کو ابدی فوز و فلاح کی بشارت دیں گے اور جو لوگ اس سے اعراض کریں گے انہیں اس کے نتائج سے آگاہ کر دیں گے۔ یوں انذار و تبشیر کے بعد حضور ﷺ شہادت کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو جائیں گے۔

''ابن ابی حاتم میں ہے کہ آپ ﷺ حضرت علی اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما کو یمن کا حاکم بنا کر بھیج رہے تھے' جو یہ آیت اتری تو آپؐ نے انہیں فرمایا: ''جاؤ خوشخبریاں سنانا' نفرت نہ

دلانا' آسانی کرنا' سختی نہ کرنا' دیکھو مجھ پر یہ آیت اتری ہے''۔طبرانی میں یہ بھی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:''مجھ پر یہ اترا ہے کہ اے نبیؐ! ہم نے تجھے تیری امت پر گواہ بنا کر' جنت کی خوشخبری دینے والا بنا کر اور جہنم سے ڈرانے والا بنا کر اور اللہ کے حکم سے توحید کی شہادت کی طرف لوگوں کو بلانے والا بنا کر اور روشن چراغ قرآن کے ساتھ بنا کر بھیجا ہے' پس اللہ کی وحدانیت پر کہ اس کے ساتھ اور کوئی معبود نہیں' گواہ ہیں اور قیامت کے دن اور لوگوں پر گواہ ہوں گے۔ جیسے ارشاد ہے:''یعنی مجھے ان پر گواہ بنا کر لائیں گے''اور آیت میں ہے کہ''تم لوگوں پر گواہ ہو اور تم پر یہ رسول گواہ ہیں''۔آپؐ مؤمنوں کو بہترین اجر کی بشارت سنانے والے اور کافروں کو بدترین عذاب کا ڈر سنانے والے ہیں۔اور چونکہ اللہ کا حکم ہے اس کی بجا آوری کے ماتحت آپؐ مخلوق کو خالق کی عبادت کی طرف بلانے والے ہیں۔آپؐ کی سچائی اس طرح ظاہر ہے جیسے سورج کی روشنی۔ہاں کوئی ضدی اڑ جائے تو اور بات ہے۔''اے نبیؐ! کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانو نہ ان کی طرف کان لگاؤ اور ان سے درگزر کرو۔یہ جو ایذائیں پہنچاتے ہیں انہیں خیال میں بھی نہ لاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو' وہ کافی ہے۔''
(ابن کثیر' جلد چہارم)

مولانا مفتی شفیعؒ نے اپنی تفسیر میں داعی الی اللہ کا مطلب یوں بیان فرمایا ہے:

''کہ آپؐ اُمت کو اللہ تعالیٰ کے وجود اور توحید و اطاعت کی طرف دعوت دینے والے ہیں۔دَاعِیاً اِلَی اللّٰہِ کو بِاِذْنِہٖ کے ساتھ مشروط فرمایا کہ آپؐ لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دینے والے اور بلانے والے اللہ ہی کے اذن و اجازت سے ہیں''۔(معارف القرآن)

اس ضمن میں صاحبِ تفہیم القرآن فرماتے ہیں:

''دعوت الی اللہ تو ہر مبلغ دیتا ہے اور دے سکتا ہے' مگر وہ اللہ کی طرف سے اس کام پر مأمور نہیں ہوتا۔اس کے برعکس نبی اللہ کے اذن (sanction) سے دعوت دینے اٹھتا ہے' اس کی دعوت نری تبلیغ نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے بھی اس کے بھیجنے والے ربّ العالمین کی فرماں روائی کا زور ہوتا ہے۔اسی بنا پر اللہ کے بھیجے ہوئے داعی کی مزاحمت خود اللہ کے خلاف جنگ قرار پاتی ہے' جس طرح دنیوی حکومتوں میں سرکاری ملازم کی مزاحمت خود حکومت کے خلاف اعلانِ جنگ سمجھی جاتی ہے''۔(الاحزاب' حاشیہ ۸۴)

سیرتِ رسولؐ پر معروف کتاب رحمۃ للعالمین کے مؤلف''دَاعِیاً اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ'' کے ضمن میں ان الفاظ میں رقم طراز ہیں:

''نبی ﷺ نے دعوت الی اللہ کو جس سرگرمی سے شروع کیا اور جس کامیابی تک پہنچایا وہ حضور ﷺ کا حصہ ہے—— (ا) اُس پہاڑی کے وعظ کو دیکھو جس پر سے یا آل قھرٍ و یاآل غالبٍ کی آواز سے عرب کو حضور نے بلایا تھا۔ (ب) اُس خلوت کدہ کا خیال کرو جہاں مکہ سے دور اور دامن کوہ کے سایہ میں ارقم بن ابوارقم کے گھر کے اندر خفیہ خفیہ تعلیم دی جاتی تھی۔ (ج) کوہِ طائف کا واقعہ یاد کرو جہاں حضور ﷺ کا خون جسم سے بہہ رہا' جوتے میں جم رہا تھا اور زبان پر دعوت الی اللہ کا وعظ جاری تھا۔ (د) عکاظ کے میلے پر نظر ڈالو جہاں نبی ﷺ یَاایُّھَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا کا نعرہ لگا رہے ہیں۔ (ہ) کوہِ تنعیم کے دامن تک نظر کو بڑھاؤ۔ چالاک دشمن نے حضور ﷺ کو بے یارومددگار اور آرام میں دیکھ کر تلوار پر قبضہ کرلیا ہے..... حضور ﷺ اُس وقت بھی دعوت الی اللہ کے فرض کو فراموش نہیں کرتے..... (ز) راہِ ہجرت کی سیر کرو' سینکڑوں میل کا سفر درپیش ہے..... (ز) آخری سانس ہے' دیدۂ حق بیں کو آسمان کی جانب بلند کیا ہے' اُس پاک نام کا اعلان فرماتے ہوئے جس کی دعوت عمر بھر دیتے رہے..... ہم کو تاریخ بشر ایسا نمونہ دکھانے سے قاصر ہے جس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ دعوت الی اللہ ہی میں پورا ہوا ہو۔'' (قاضی محمد سلیمان منصور پوری)

پانچویں صفت سراجًا منیرًا ہے۔ یہ ایسا لفظ ہے جس کا استعمال ذات پاک نبویؐ کے سوا اور کسی کے لیے نہیں فرمایا گیا—— صاحب رحمۃ للعالمین فرماتے ہیں:

''آفتاب ایک وقت میں کرۂ ارض کے ایک ہی پہلو کو روشن کرسکتا ہے' لیکن اس سراج منیر نے وقت واحد میں جاہلیت کی ظلم و جہالت کی تاریکی' کفر و شرک کی سیاہی' رسوم کے اندھیر' رواج کی گھٹا' تقلید کی تیرگی کو اپنی نورانی شعاعوں سے اٹھا کر دلوں کو نورِ ایمان سے' دماغوں کو عقائد صحیحہ کے لمعات سے' آنکھوں کو کتاب مبین کے مطالعہ سے' خلا کو نورانی تعلیم سے' دھندلے تذبذب کو دلائل ساطعہ سے' تاریک ظنون کو براہینِ مبینہ سے روشن فرمادیا''۔ (رحمۃ للعالمین)

سراج کے معنی چراغ کے ہوتے ہیں اور منیر کے معنی روشن کرنے والے کے ہیں' گویا حضور نبی کریم ﷺ روشن کرنے والے چراغ ہیں۔ بعضوں نے سراج منیر سے قرآن بھی مراد لیا ہے' مگر سیاقِ کلام کی مناسبت سے زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ حضور ﷺ کی صفت ہے۔ نبی کریم ﷺ خود بھی علم و حکمت کے نور سے روشن ہیں اور لوگوں کو بھی تاریکیوں اور سیاہیوں سے نکال کر اللہ کے بتائے ہوئے سیدھے راستے کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی یہ صفات جیسے قرآن حکیم میں وارد ہوئی ہیں اس سے پہلے تورات میں بھی مذکور ہیں۔ حضرت عطار بن یاسرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی صفتیں تورات میں کیا ہیں؟ فرمایا: ''جو صفتیں آپؐ کی قرآن میں ہیں انہی میں سے بعض اوصاف آپؐ کے تورات میں بھی ہیں۔ تورات میں ہے:

''اے نبیؐ! ہم نے تجھے گواہ اور خوشی سنانے والا' ڈرانے والا' امتیوں کو بچانے والا بنا کر بھیجا ہے' تو میرا بندہ اور رسول ہے' میں نے تیرا نام متوکل رکھا ہے' تو بدگو اور فحش کلام نہیں ہے' نہ بازاروں میں شور مچانے والا۔ وہ برائی کے بدلے برائی نہیں کرتا بلکہ درگزر کرتا اور معاف فرماتا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ قبض نہیں کرے گا جب تک لوگوں کے ٹیڑھا کیے ہوئے دین کو اس کی ذات سے بالکل سیدھا نہ کر دے' اور وہ لا الٰہ الا اللہ کے قائل نہ ہو جائیں جس سے اندھی آنکھیں روشن ہو جائیں اور بہرے کان سننے والے بن جائیں اور پردوں والے دلوں کے زنگ نہ چھوٹ جائیں''۔

(بخاری شریف بحوالہ ابن کثیر)

اللہ تعالیٰ نے ان پانچ نہایت ہی اہم صفاتِ جلیلہ سے حضور نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی کو متصف فرمایا۔ ان صفاتِ حمیدہ کا عملی مظاہرہ ہمیں آپؐ کے اسوۂ حسنہ میں قدم قدم پر دکھائی دیتا ہے اور آپؐ ہی کے فیضان سے تیئس سال کے مختصر عرصے میں ایک مؤثر اور تحیر انگیز اسلامی انقلاب برپا ہوا جس نے عرب وعجم کو اپنی آغوش میں سمیٹا۔ اس انقلاب کی تکمیل میں جس جاں سوزی' جاں سپاری' فدائیت' ایثار وقربانی' فہم وفراست' تدبر وتفکر اور حکمت بالغہ کی ضرورت تھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہ تمام وکمال اس سے عہدہ برآ ہوئے۔ انہوں نے اس تدریج کو بھی کما حقہٗ پیشِ نظر رکھا جو حضور ﷺ نے اس جدوجہد کے دوران اختیار کیے رکھی اور ان مصالح سے بھی صرفِ نظر نہیں کیا جو آپؐ نے حالات کے اتار چڑھاؤ میں ملحوظِ خاطر رکھے۔ کسی بھی مرحلہ میں اگر ان سے کوئی چوک ہوئی تو وہ چوکنے ہو گئے' اپنے ربّ کے حضور جھک گئے اور آنسوؤں کی جھڑی نے انہیں مجلّٰی ومصفّٰی کر دیا۔

قرآن حکیم نے کہا کہ دین مکمل ہو چکا ہے' حضور نبی کریم ﷺ آخری نبی ہیں اور نجات کے لیے انسان اسی دین مبین کی پیروی کے مکلّف ہیں۔ اُمت مسلمہ کو نیابت کا فرض سونپ دیا گیا کہ وہ قول وعمل سے شہادت کے منصب کے تقاضوں کو مکمل کرے۔

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ

الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ﴾ (البقرۃ:۱۴۳)

''اور اسی طرح ہم نے تم (مسلمانوں) کو ایک بہتر امت بنایا ہے تاکہ تم دوسرے تمام لوگوں کے لیے (ہمارے نازل کیے ہوئے دین کے) شاہد بنو اور ہمارا رسول تمہارے لیے شاہد بنے''۔

فرمایا کہ:

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ﴾ (آل عمران:۱۱۰)

''تم ایک بہترین اُمت ہو جو سارے انسانوں کے لیے وجود میں لائی گئی ہے''۔

اور کہا کہ:

﴿ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ﴾ (الحج:۷۸)

''اس نے تمہیں منتخب کیا ہے اور تمہارے لیے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی''۔

چنانچہ شہادت کے اس عمل میں تبشیر و تنذیر کو ضروری قرار دیا گیا اور فرمایا گیا کہ:

﴿ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ﴾ (النحل:۱۲۵)

''(لوگوں کو) اپنے ربّ کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعے بلاؤ اور (ضرورت کے وقت) بہترین انداز سے بحث و مباحثہ کرو''۔

بتایا گیا کہ ایمان، عمل صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کے بغیر انسان خسارے میں ہے، اہل ایمان کو جنت کی بشارت دی گئی، حضور نبی کریم ﷺ کو سراج منیر کہہ کر فرما دیا گیا کہ تم بھی قول و عمل کے اعتبار سے روشن چراغ بن کر آگے بڑھو، عفو و درگزر سے کام لو، معروف کی تلقین کرو اور جاہلوں کے منہ مت لگو۔ اس مقدس مشن میں شیطان تمہارے آڑے آئے تو ایسے میں اپنے ربّ سے پناہ طلب کرو، تمہاری جلوتوں اور خلوتوں میں کوئی تضاد نہ ہو، گھنگھور اندھیروں اور تاریک فضاؤں میں روشن چراغ کی مانند روشنی بکھیرتے چلے جاؤ۔ ان تابندہ نقوش کو مشعل راہ بناؤ گے تو پھر دین غالب ہو کر رہے گا۔ اور اگر تم نے سیرتِ مصطفویؐ کے ان درخشاں خدوخال کو اپنے روز و شب کی سرگرمیوں میں معیار نہ بنایا تو پھر دھندلکوں میں بھٹکتے رہو گے اور تمہارا کوئی پرسانِ حال نہ ہوگا۔ oo

نفاق کی حقیقت
اور
جماعتی زندگی میں اظہارِ اختلاف
کے آداب اور طریق کار
قرآن وسنّت کی روشنی میں

انجینئر نوید احمد ☆

☆ نفاق کی حقیقت

نفاق ایک مرض ہے جو کسی بھی انقلابی تحریک کے سرگرم ہونے کے نتیجہ میں لازماً ظاہر ہوتا ہے۔ انقلابی تحریک وہ ہوتی ہے جو رائج الوقت نظام کو بدلنا چاہتی ہے۔ نظام بدل نہیں سکتا جب تک اُس کے لیے مال و جان کی قربانی نہ دی جائے۔ جس معاشرے میں کوئی انقلابی تحریک زور پکڑ جائے تو وہاں تین گروہ لازماً وجود میں آجاتے ہیں۔ پہلا گروہ وہ ہوتا ہے جو انقلابی تحریک کے مقصد سے متفق ہوتا ہے' اُس کا بھرپور ساتھ دیتا ہے اور تحریک کی کامیابی کے لیے جان و مال کی قربانیاں پیش کرتا ہے۔ دوسرا گروہ وہ ہوتا ہے جس کے رائج نظام سے مفادات وابستہ ہوتے ہیں اور وہ اُس نظام کو بچانے کے لیے مال و جان کی قربانی دیتا ہے۔ تیسرا گروہ اُن لوگوں پر مشتمل ہوتا ہے جو جان و مال کو اتنا محبوب رکھتے ہیں کہ وہ نہ انقلابی تحریک کی کامیابی کے لیے انہیں قربان کر سکتے ہیں اور نہ انقلابی تحریک کا راستہ روکنے

☆ ڈائریکٹر قرآن اکیڈمی' کراچی

کے لیے۔ مال‘ جان اور اولاد کی محبت کا حد سے بڑھ جانا اور تحریک کے تقاضوں پر غالب آنا وہ مرض ہے جسے نفاق کہا جاتا ہے۔ گویا تیسرے گروہ میں شامل لوگ وہ بدنصیب ہیں جو نفاق کے مرض کا شکار ہوتے ہیں اور منافقین کہلاتے ہیں۔ اِن کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ﴾ (البقرۃ: ۱۰)

’’اُن کے دلوں میں ایک مرض ہے‘ پس اللہ نے زیادہ کر دیا اُن کے مرض کو۔‘‘

قرآنِ مجید میں اِس مضمون کو اتنی اہمیت دی گئی ہے کہ قرآن کے آغاز ہی میں یعنی سورۃ البقرۃ میں اِن تین کرداروں کو بیان کر دیا گیا ہے۔ پہلے گروہ کا ذکر سورۃ البقرۃ کی آیات ۳ تا ۵ میں‘ دوسرے گروہ کا ذکر آیات ۶ تا ۷ میں اور تیسرے گروہ کا ذکر آیات ۸ تا ۱۶ میں ہے۔ نوٹ کیجیے کہ یہاں تفصیلی ذکر منافقین کا ہے۔

☆ نفاق کا نتیجہ

نفاق کی بیماری کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان شیطان کے حملوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ قرآنِ حکیم میں بار بار آگاہ کیا گیا کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ البتہ یہ بھی واضح کیا گیا کہ اُس کے حملے کا شکار وہی ہوتا ہے جو خود پہلے سے اندر سے بیمار ہو۔ جیسے ظاہری بیماریوں کا سبب بننے والے جراثیم بھی انسان پر مسلسل حملہ آور ہوتے رہتے ہیں‘ اگر انسان کے اندر قوتِ مزاحمت (resistance) مضبوط ہو تو پھر اِن جراثیم کا انسان پر اثر نہیں ہوتا‘ اِس کے برعکس اگر انسان کے اندر موجود قوتِ مزاحمت کمزور پڑ چکی ہو یا سرے سے ختم ہی ہو چکی ہو تو پھر یہ جراثیم نقصان پہنچانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں‘ اِسی طرح باطنی اعتبار سے جب انسان کی ایمانی کیفیت کمزور ہوتی ہے تو شیطان کا وار اثر کر جاتا ہے۔ اِس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں اِس طرح واضح فرمایا ہے:

﴿اِنَّهٗ لَیْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ۝۹۹ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ۝۱۰۰﴾ (النحل)

’’بے شک شیطان کا بس نہیں چلتا اُن لوگوں پر جو ایمان لائے اور جو اپنے ربّ پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اُس کا زور تو اُن لوگوں پر چلتا ہے جنہوں نے شیطان کو دوست بنایا اور وہ جو اپنے ربّ کے ساتھ شرک کرنے والے ہیں۔‘‘

سورۃ الاعراف کی آیت ۲۷ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾

''بے شک ہم نے شیطانوں کو دوست بنایا ہے اُن لوگوں کا جو ایمان نہیں رکھتے۔''

منافقین پر شیطان کے حملے کا ذکر قرآنِ حکیم میں اِس طرح آیا ہے:

﴿اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ (المُجادلة)

''شیطان نے اُن پر قابو پالیا' پس اُنہیں اللہ کے ذکر سے غافل کر دیا۔ یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں۔ اور آگاہ ہو جاؤ بے شک شیطان کا گروہ ہی خسارہ پانے والا ہے۔''

قرآنِ مجید میں حزب الشیطان یعنی شیطان کی پارٹی کی اصطلاح صرف منافقین کے لیے آئی ہے۔ شیطان ویسے تو ہر انسان کا دشمن ہے لیکن اُسے سب سے زیادہ دشمنی حزب اللہ یعنی ایسی جماعت سے ہوتی ہے جو اللہ کے دین کو غالب کرنے کے مقصد کے لیے وجود میں آئی ہو۔ وہ اپنی چالوں کے ذریعے اِسی جماعت میں سے منافقین کی صورت میں حزب الشیطان پیدا کر دیتا ہے۔ اِس تخریبی کام کے لیے شیطان حزب اللہ کے ساتھیوں کے اندر وسوسہ اندازی کرتا ہے' اُن کے درمیان باہم نفرتیں پیدا کرتا ہے اور خاص طور پر امیر اور مأمورین کے درمیان تعلق میں بگاڑ پیدا کرتا ہے' تاکہ حزب اللہ اندرونی خلفشار میں مبتلا ہو کر غلبۂ دین کی کوششوں کو آگے نہ بڑھا سکے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴾ (بنی اسراء یل)

''اور (اے نبیؐ!) کہہ دیجیے میرے بندوں سے کہ وہ کہیں بہت ہی اچھی بات' بے شک شیطان اُن کے درمیان پھوٹ ڈالنا چاہتا ہے' بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔''

﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ.....﴾(المائدة: ۹۱)

''بے شک شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان دشمنی اور نفرت پیدا کر دے.....''

منافقین کے دلوں میں شیطان حزب اللہ کی قیادت اور مخلص کارکنوں کے خلاف بدگمانیاں اور نفرتیں پیدا کرتا ہے۔ مزید یہ کہ شیطان منافقین کے اندر بزدلی پیدا کر دیتا ہے جس کی وجہ سے اُن کی سرگرمیاں گھٹیا صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ منافقین کی بزدلی کو قرآنِ حکیم میں کئی مقامات پر نمایاں کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر:

﴿فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَیْتَهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْکَ تَدُوْرُ اَعْیُنُهُمْ کَالَّذِیْ یُغْشٰی عَلَیْهِ مِنَ الْمَوْتِ﴾ (الاحزاب : ۱۹)

''پھر جب ڈر (کا وقت) آ جائے تو (اے نبیؐ) آپؐ اُن کو دیکھیں گے کہ آپؐ کی طرف اِس طرح دیکھ رہے ہیں کہ اُن کی آنکھیں پھر رہی ہیں جیسے کسی کو موت سے غشی آ رہی ہو۔''

﴿فَتَرَی الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ یُّسَارِعُوْنَ فِیْهِمْ یَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓی اَنْ تُصِیْبَنَا دَآئِرَةٌ﴾ (المائدۃ : ۵۲)

''تو جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے تم اُنہیں دیکھو گے کہ اُن (کافروں) میں دوڑ دوڑ کر ملے جاتے ہیں' کہتے ہیں کہ ہمیں خوف ہے کہ کہیں ہم پر زمانے کی گردش نہ آ جائے۔''

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَکُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِیْعًا ۝ وَاِنَّ مِنْکُمْ لَمَنْ لَّیُبَطِّئَنَّ فَاِنْ اَصَابَتْکُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیَّ اِذْ لَمْ اَکُنْ مَّعَهُمْ شَهِیْدًا ۝﴾ (النساء)

''اے ایمان والو! اپنے ہتھیار لے لو (مقابلے کے لیے ہر وقت تیار رہو)' پھر الگ الگ دستوں کی شکل میں نکلو یا اکٹھے ہو کر۔ اور تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو (جنگ کے لیے نکلنے میں) دیر لگاتا ہے' پھر اگر تم پر کوئی مصیبت پڑ جائے تو کہتا ہے کہ اللہ نے مجھ پر بڑی مہربانی کی کہ میں اُن میں موجود نہ تھا۔''

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰی حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَیْرُ نِ اطْمَاَنَّ بِهٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ نِ انْقَلَبَ عَلٰی وَجْهِهٖ قف خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةَ ذٰلِکَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ۝﴾ (الحج)

''اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو کنارے پر رہ کر اللہ کی بندگی کرتا ہے' اگر کوئی فائدہ ہوا تو مطمئن ہو گیا اور اگر کوئی مصیبت آ گئی تو الٹا پھر گیا' دنیا میں بھی خسارے میں رہا اور آخرت میں بھی' یہ ہے بالکل واضح خسارہ۔''

بزدلی کی وجہ سے انسان صحیح فورم پر اظہارِ اختلاف نہیں کرتا اور نہ ہی جماعت سے علیحدہ ہونے کی جرأت کرتا ہے' بلکہ جماعت کے اندر رہ کر نجویٰ یعنی خفیہ سرگوشیوں کے ذریعے اپنے ہم خیال بڑھانے کی کوشش کرتا ہے۔ ہم خیالوں کے بڑھنے سے ایک طرف جماعت میں

انتشار بڑھتا ہے اور دوسری طرف تحریک کے تقاضوں کے حوالے سے اُس کی ذاتی کمزوری بھی کم نمایاں ہوتی ہے۔

☆ اختلافات کیوں پیدا ہوتے ہیں ؟

اختلافات کا پیدا ہونا ایک فطری عمل ہے' کیونکہ ہر انسان کا مزاج' ترجیحات' اقدار' تربیت کا ماحول و معیار' سوچنے کا انداز مختلف ہوتا ہے۔ جماعتی زندگی میں اختلافات کی اساس مثبت بھی ہوتی ہے اور منفی بھی۔

(ا) اختلاف کی مثبت اساس: اختلاف کی مثبت اساس یہ ہوسکتی ہے کہ:

i) قیادت کی طرف سے طے کیے گئے لائحہ عمل یعنی پالیسی کو تحریک کے مقاصد کے لیے مضر سمجھا جائے۔

ii) کسی ساتھی یا منصب دار کے طرزِ عمل کو تحریک کے مقاصد یا نیک نامی کے حوالے سے درست نہ سمجھا جائے۔

iii) نظمِ بالا کی طرف سے کوئی حق تلفی یا زیادتی ہو جائے۔

(ب) اختلاف کی منفی اساس: اختلاف کی منفی اساس یہ ہوسکتی ہے کہ:

i) امیر کی کسی ذاتی خامی کی وجہ سے دل میں کدورت پیدا ہوگئی' حالانکہ بجز انبیاء و رُسل کوئی انسان بھی خامیوں سے پاک نہیں ہوتا۔

ii) کسی بھی انسان کی اطاعت طبیعت پر گراں گزرتی ہے۔ اِس کی ایک وجہ تکبر بھی ہے۔ انسان کسی اور کو بڑا تسلیم کر کے اس کی اطاعت پر آمادہ نہیں ہوتا۔ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ تکبر کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ((بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ))(۱) ''حق کو قبول نہ کرنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا''۔ یعنی نقیب یا امیر کہ جس کی اطاعت کرنی ہو' آدمی اُسے اہلیت و صلاحیت کے اعتبار سے کم تر سمجھ رہا ہے اور خود کو زیادہ باصلاحیت محسوس کر رہا ہے۔ ایسی صورتِ حال میں نقیب یا امیر کے احکامات یا آراء سے لازماً اختلاف ہوگا۔

iii) کسی موقع پر امیر نے مشورہ قبول نہ کیا لہٰذا اُسے ذاتی توہین سمجھا اور دل میں کدورت پیدا ہوگئی' حالانکہ مأمور کا کام ہے خلوص کے ساتھ مشورہ دینا' جبکہ فیصلہ کرنا امیر کا حق ہے اور وہ فیصلہ کرتے ہوئے مختلف آراء کو گنے گا نہیں بلکہ تولے گا۔ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۵۹ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ ''پس جب (اے

(۱) صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب تحریم الکبر وبیانہ۔

نبیؐ) آپ فیصلہ کرلیں تو اللہ پر بھروسہ کیجیے۔'' مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی تفسیر ''معارف القرآن'' میں آیت کے اِس حصہ کی وضاحت میں لکھا ہے کہ فیصلہ کا اختیار امیر کو ہے اور وہ کثرتِ رائے کی بنیاد پر فیصلہ کرنے کا پابند نہیں ہے۔

iv) کسی معاملہ میں امیر نے مشورہ نہ لیا یا اُس کی توجہ کسی اور کی طرف زیادہ رہی۔

v) کسی کوتاہی پر امیر نے سختی کی اور ڈانٹ ڈپٹ کر دی۔ تربیت کے دوران نرمی اور سختی دونوں انداز اختیار کرنا پڑتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ بچے کو کھلاؤ سونے کا نوالہ لیکن دیکھو شیر کی نگاہ سے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا سب سے بڑا مربی ہے لیکن وہ ہمیں ڈراتا بھی ہے اور امید بھی دلاتا ہے۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۴۹﴾ وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ ﴿۵۰﴾﴾ (الحجر)

''(اے نبیؐ!) میرے بندوں کو بتا دیجیے کہ میں بڑا بخشنے والا مہربان ہوں۔ اور یہ کہ میرا عذاب بھی دردناک عذاب ہے''۔

vi) امیر نے کسی کوتاہی پر یا بلاوجہ کسی ذمہ داری سے معزول کر دیا۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ اگر ذمہ داری سے معزول کر دیا جائے تو ہم سکون محسوس کریں' کیونکہ ذمہ داری ایک بہت بڑا بوجھ ہے' لیکن اگر خدانخواستہ دل میں کچھ خود پسندی ہے' کچھ دنیا کی محبت ہے تو آدمی چاہتا ہے کہ میں کسی منصب پر رہوں تاکہ تنظیم وتحریک میں میرا مقام نمایاں رہے۔

vii) کسی موقع پر رخصت طلب کی اور امیر نے رخصت دینے سے انکار کر دیا۔

☆ اظہارِ اختلاف کے حوالے سے نظم کی خلاف ورزی

i) دل میں امیر کے خلاف کسی وجہ سے کدورت پیدا ہوگئی۔ اب امیر کے ہر فیصلے اور اقدام کے بارے میں سوئے ظن ہوگا' اُس میں منفی پہلو ہی نظر آئیں گے اور اُس سے مضر اثرات کے خدشات محسوس ہوں گے۔

ii) امیر سے ناراض اور نالاں رفقاء آپس میں قریب ہوں گے اور ایک جتھہ کی صورت اختیار کریں گے۔ اِن کے قریب آنے کی اساس منفی ہوگی' یعنی امیر سے ناراضگی۔

iii) ایسے لوگوں سے ہمدردی پیدا ہو جائے گی جنہوں نے کبھی کسی ناراضگی کی بنیاد پر جماعت کو چھوڑ دیا تھا' یا اُنہیں جماعت سے نکال دیا گیا تھا یا جو جماعت کے بارے میں منفی رائے رکھتے ہیں۔ اب اِن سے دوستیاں ہوں گی اور مختلف اُمور میں اُن سے مشورے اور

رہنمائی لی جائے گی۔قرآنِ حکیم میں اِس منافقانہ روش کا ذکر اِس طرح کیا گیا:

﴿اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ تَوَلَّوۡا قَوۡمًا غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ ؕ﴾ (المُجادلة : ١٤)

''(اے نبیؐ!) کیا آپؐ نے نہیں دیکھا اُن لوگوں کی طرف جو دوستی کرتے ہیں اُن سے جن پر اللہ نے غضب نازل کیا؟''

iv) یہ جتھہ علیحدگی میں مل کر اپنے دکھ کو ایک دوسرے کے سامنے بیان کرے گا۔قیادت کے بارے میں غیبت ہوگی اور بظاہر بڑے ہمدردانہ انداز میں امیر کی طرف سے کیے گئے فیصلوں کے خلاف مشورے ہوں گے۔قرآنِ مجید میں یہ چیزیں خوب کھول کھول کر بیان کردی گئی ہیں۔ملاحظہ کیجیے:

﴿اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ نُہُوۡا عَنِ النَّجۡوٰی ثُمَّ یَعُوۡدُوۡنَ لِمَا نُہُوۡا عَنۡہُ وَیَتَنٰجَوۡنَ بِالۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ وَمَعۡصِیَتِ الرَّسُوۡلِ ۫﴾ (المُجادلة:٨)

''کیا تم نے نہیں دیکھا اُن لوگوں کو جنہیں خفیہ سرگوشی کرنے سے منع کیا گیا تھا مگر وہ وہی کرتے ہیں جس سے اُنہیں منع کیا گیا تھا اور باہم سرگوشیاں کرتے ہیں گناہ اور زیادتی کے کاموں اور رسولؐ کی نافرمانی کے لیے؟''

اِس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کا ذکر ہے' لیکن درحقیقت رسول اللہ ﷺ کی ایک حیثیت امیرِ جماعت کی بھی تھی' گویا منافقین امیر جماعت کی نافرمانی کے لیے آپس میں مل کر خفیہ مشورے کرتے ہیں۔سورۃ النساء کی آیت ٨١ میں یہ مضمون اِس طرح بیان ہوا:

﴿وَیَقُوۡلُوۡنَ طَاعَۃٌ ۫ فَاِذَا بَرَزُوۡا مِنۡ عِنۡدِکَ بَیَّتَ طَآئِفَۃٌ مِّنۡہُمۡ غَیۡرَ الَّذِیۡ تَقُوۡلُ ؕ﴾

''اور وہ کہتے ہیں کہ (آپ ﷺ کی) اطاعت کریں گے' لیکن جب آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو اُن میں سے بعض لوگ رات کو آپ کے فیصلوں کے برخلاف مشورے کرتے ہیں۔''

v) ایسے لوگ بظاہر بڑے ہمدردانہ انداز میں اور جماعت کی اصلاح کے لیے مشورے کررہے ہوتے ہیں لیکن درحقیقت جماعت کی شیرازہ بندی کے اعتبار سے انتشار اور فساد پیدا کررہے ہوتے ہیں۔قرآنِ حکیم میں اِس کا نقشہ یوں کھینچا گیا:

﴿وَاِذَا قِیۡلَ لَہُمۡ لَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ ۙ قَالُوۡۤا اِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُوۡنَ ﴿۱۱﴾ اَلَاۤ اِنَّہُمۡ ہُمُ الۡمُفۡسِدُوۡنَ وَلٰکِنۡ لَّا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۲﴾﴾ (البقرة)

''اور جب بھی اُن سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ جان لو! بلا شبہ ایسے ہی لوگ فساد ڈالنے والے ہیں لیکن وہ خبر نہیں رکھتے۔''

vi) اجتماعات میں ایسے لوگ ایک ساتھ بیٹھتے ہیں' دورانِ اجتماع آنکھوں سے اشارے کرتے ہیں' ایک دوسرے کو کہنی مار کر تبصرے کرتے ہیں' بعض اوقات طنزیہ لیکن دلچسپ فقرے چست کرتے ہیں جس سے سادہ لوح لوگ ہنس پڑتے ہیں۔ اِن حرکات سے امیر کا احترام اور تقدس مجروح ہوتا ہے۔ دورِ نبویؐ میں منافقین کی اِن حرکات کے سدّ باب کے لیے ہدایت دی گئی کہ:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِیْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ (المُجادلة : ١١)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں کھل کر بیٹھو تو کھل جاؤ' اللہ تمہارے لیے کشادگی پیدا کر دے گا۔''

vii) ایسے لوگ اجتماع کے دوران تو گھڑی دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ بہت وقت ہو گیا' کافی طویل دورانیہ کا اجتماع ہو گیا اور ہمیں کچھ اور کام بھی تو کرنے ہیں۔ گویا منتظمین پر مسلسل دباؤ ہوتا ہے کہ اجتماع کی کارروائی ختم کی جائے۔ پھر جب اجتماع ختم ہو جاتا ہے تو اب کچھ لوگوں کے ساتھ گپ شپ ہو رہی ہے' کارروائی پر تبصرے کیے جا رہے ہیں اور اگر کسی پر اجتماع کا اثر ہوا ہے تو اُسے زائل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ سورۃ المُجادلۃ ہی میں آگے اِس طرزِ عمل سے باز رکھنے کے لیے حکم دیا گیا:

﴿وَاِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿١١﴾﴾

''اور جب تم سے کہا جائے کہ اُٹھ جاؤ تو اُٹھ جایا کرو' تم میں سے جو ایمان والے ہیں اور جن کو علم عطا ہوا ہے اللہ اُن کے درجے بلند کرے گا' اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔''

viii) اِس طرح کے لوگ اپنے دل کی کدورت کے اظہار کے لیے زبان سے بعض اوقات امیر کے خلاف ناگوار فقرے چست کرتے ہیں۔ اِس منافقانہ گستاخی کا ذکر قرآنِ حکیم میں یوں کیا گیا:

﴿وَاِذَا جَآءُوْکَ حَیَّوْکَ بِمَا لَمْ یُحَیِّکَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَیَقُوْلُوْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا یُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ یَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝﴾ (المُجادلة)

''اور جب (منافقین) آپؐ کے پاس آتے ہیں تو آپؐ کے بارے میں ایسے کلمات کہتے ہیں جو اللہ نے آپؐ کے لیے نہیں کہے اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں اِس پر اللہ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا؟ اِن کے لیے جہنم کافی ہے' وہ اُس میں ڈالے جائیں گے' اور وہ لوٹنے کی بہت بری جگہ ہے۔''

ix) اِس طرح کے عناصر مختلف حوالوں سے اعتراضات کرتے رہتے ہیں' نئے نئے فتنے اٹھاتے رہتے ہیں' دوسروں کے ذہنوں میں اشکالات پیدا کرتے رہتے ہیں اور امیر کے کیے گئے فیصلوں کو ناکام کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ دورِ نبویؐ میں منافقین یہی کچھ کرتے رہے۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَکَ الْاُمُوْرَ.....﴾(التوبة:٤٨)

''(اے نبیؐ!) یہ لوگ اِس سے پہلے بھی فتنے اُٹھاتے رہے ہیں اور آپؐ کے خلاف معاملات کو تلپٹ کرتے رہے ہیں.....''

مذکورہ بالا طرزِ عمل سے نئے ساتھیوں کے ذہن خراب ہوتے ہیں' مخلص ساتھیوں کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔ اُنہیں افسوس ہوتا ہے کہ یہ لوگ نظم کے تحت وقت دینے کو تیار نہیں' اجتماعات میں آنے کے لیے اِن کے پاس فرصت نہیں لیکن باہم سرگوشیاں کرنے اور غیبت کی محفلیں جمانے کے لیے اِن کے پاس بہت وقت ہے۔ امیر کو دکھ ہوتا ہے کہ میں نے خون پسینہ سے جس درخت کی آبیاری کی تھی' یہ لوگ اُس کی جڑیں کھود رہے ہیں۔ اِس صورتِ حال کا بیان قرآنِ حکیم میں اِس طرح آیا ہے:

﴿اِنَّمَا النَّجْوٰی مِنَ الشَّیْطٰنِ لِیَحْزُنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَیْسَ بِضَآرِّهِمْ شَیْئًا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝﴾ (المُجادلة)

''سرگوشی تو بس ایک شیطانی حرکت ہے (اور وہ اِس لیے کی جاتی ہے) تاکہ ایمان والے اُس کی وجہ سے آزردہ خاطر ہوں' حالانکہ اللہ کے اذن کے بغیر وہ اُن کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی' اور مؤمنوں کو چاہیے کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں۔''

☆ اظہارِ اختلاف کا درست طریقِ کار

اختلافِ رائے کے حوالے سے قرآنِ حکیم ہمیں بنیادی ہدایت یہ عطا فرماتا ہے کہ:

﴿وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْھَبَ رِیْحُکُمْ وَاصْبِرُوْا ط اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝۴۶﴾(الانفال)

''اور اطاعت کرو اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اور آپس میں جھگڑا نہ کرو' ورنہ تم ڈھیلے پڑ جاؤ گے اور تمہارا رعب ختم ہو جائے گا اور صبر کرو' بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

اِس آیت میں لفظ تنازُع آیا ہے۔ تنازُع یہ ہے کہ مشورہ دینے کے بعد یہ چاہنا کہ اُس پر عمل بھی ہو۔ اپنی رائے کو امیر سے منوانے کی کوشش کرنا' امیر کے اوپر دباؤ ڈالنا کہ فیصلہ ہماری رائے کے مطابق کیا جائے۔ اِس روش سے کھینچ تان ہوتی ہے' نظم ٹوٹ جاتا ہے' اجتماعیت محض ایک ہجوم بن جاتی ہے اور اِس کا رعب ختم ہو جاتا ہے۔ اِس سے اصل نقصان پہنچتا ہے اقامتِ دین کی جدوجہد کے مشن کو۔ ہمیں دیانت داری سے مشورہ دے دینا چاہیے اور امیر کے لیے دعا کرنی چاہیے کہ اللہ اُسے صحیح فیصلے تک پہنچنے کی ہدایت عطا فرمائے۔ آیت میں مزید فرمایا کہ صبر کرو' یعنی اپنی رائے کے خلاف فیصلہ ہونے پر صبر۔ شیطان بار بار اکساتا ہے کہ امیر نے اچھی طرح سے تمہاری بات سنی نہیں یا تمہاری رائے کو اہمیت ہی نہیں دی۔ صبر یہ ہے کہ ہم نے شیطان کے حملہ کا مقابلہ کرنا ہے اور امیر کی طرف سے معروف کے دائرے میں کیے گئے ہر فیصلے کو نہ صرف قبول کرنا ہے بلکہ اُسے کامیاب بنانے کی اپنی سی پوری کوشش کرنی ہے۔ یہ کام آسان نہیں' بلکہ بہت مشکل ہے' لیکن خوشخبری یہ ہے کہ ﴿اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝۴۶﴾ ''یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے'' یعنی اللہ کی رضا اور نظرِ کرم صبر کرنے والوں کو حاصل ہوگی۔

ایک اسلامی تنظیم کے رفقاء کے درمیان اختلافات تین قسم کے ہو سکتے ہیں۔ اِن اختلافات کے اظہار کے لیے تنظیم اسلامی کے نظام العمل میں درج طریقہ کار حسبِ ذیل ہے:

۱) فقہی معاملات میں رفقاء ورفیقات اہل سنت کے جس فقہی مسلک پر چاہیں عمل کر سکتے ہیں۔ اِس ضمن میں مناظرانہ بحث وتمحیص سے کُلی اجتناب ضروری ہے۔ یہ نہ ہو کہ خم ٹھونک کر کھڑے ہیں رفع یدین کے مسئلے پر یا تراویح کی رکعات کے مسئلے پر۔ اِن معاملات پر مناظرہ نہیں کرنا۔ البتہ خالص علمی انداز میں اور افہام وتفہیم کے جذبے کے تحت تبادلۂ

خیالات پر کوئی پابندی نہیں۔

۲) ملکی حالات و مسائل کے بارے میں امیرِ تنظیم کی آراء، تنظیم کی کسی پالیسی یا خاص معاملہ میں فیصلے سے اختلاف کا حق بھی رفقاء کو حاصل ہے، تاکہ نہ تنظیم میں گھٹن محسوس ہو اور نہ ذہنوں پر تالے پڑیں، بلکہ آزادیٔ فکر اور اظہارِ رائے کا صحت مند ماحول برقرار رہے۔ البتہ اختلافِ رائے اور اِس کے اظہار کے ''صحت مند'' ہونے کی علامت یہ ہوگی کہ متعلقہ رفیق کے طرزِ عمل میں نظم کے اعتبار سے کوئی کمی یا تساہل نظر نہ آئے اور وہ اِس سلسلے میں حسب ذیل احتیاطیں اختیار کرنے کا اہتمام کرے:

i) اظہارِ رائے صرف ملتزم رفقاء ہی کے مابین ہونا چاہیے۔ ملتزم رفقاء کا مبتدی رفقاء کے ساتھ اِظہارِ اختلاف کرنا نظم کی خلاف ورزی ہے، کیونکہ اِس طرح سے نئے ساتھیوں کا ذہن خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔

ii) اگر کوئی مبتدی رفیق، ملتزم رفیق کے سامنے اشکال پیش کرے تو وہ اُسے مطمئن کرنے کی کوشش کرے، ورنہ خاموش رہے اور نظمِ بالا کے خلاف کوئی گفتگو نہ کرے۔ ہمیں اپنے نظمِ بالا کے ساتھ خلوص اور وفاداری کا ثبوت دینا چاہیے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

> ''تین باتیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے ایک مسلمان کا دل نفاق میں مبتلا نہیں ہوتا: عمل کا خالصتاً اللہ کے لیے ہونا، ذمہ دار حضرات کے ساتھ خیر خواہی اور وفاداری کرنا اور جماعت کے ساتھ چمٹے رہنا کہ بے شک جماعت والوں کی دعائیں اُسے محفوظ رکھتی ہیں۔'' (ترمذی، ابوداؤد)

یہ بھی ملحوظ رہے کہ عام طور پر ایسے شخص کی واہ واہ ہوتی ہے جو نظمِ بالا سے اختلاف کرے اور اُسے بہت بہادر (bold) سمجھا جاتا ہے۔ جو نظمِ بالا کا وفادار ہو اُسے پسند نہیں کیا جاتا۔ اِس سب کے باوجود ہم نے نظمِ بالا کے کیے گئے فیصلوں کی نئے رفقاء کے سامنے تائید کرنی ہے اور اگر ہمیں خود کسی فیصلہ پر انشراح نہیں تو پھر خاموش رہنا چاہیے۔

iii) ملتزم رفقاء کے ساتھ گفتگو میں بھی درج ذیل آیات قرآنیہ کی روشنی میں مخاطَب کی استعداد اور ذہنی سطح کو ملحوظ رکھنا نہ صرف تنظیم بلکہ خود مخاطَب کی خیر خواہی کے اعتبار سے بھی ضروری ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا﴾ (النساء: ۵۸)

''بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں لوٹاؤ اُن تک جو اُن کے حق دار ہیں۔''

ممکن ہے کہ ایک ساتھی کسی اختلاف کے باوجود نظم کا پابند اور فعّال ہو لیکن دوسرے رفیق میں اتنی ہمت نہ ہو کہ وہ اختلاف کے سامنے آنے کے باوجود بھی اپنے آپ کو جماعت میں فعّال رکھ سکے۔

﴿وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ﴾ (النساء : ۸۳)

''اور اگر وہ لوٹا دیتے خبر کو رسولؐ کی طرف اور اُن کی طرف جو اُن میں سے صاحبِ اختیار ہیں تو یقیناً اُس خبر کی حقیقت جاننے کی کوشش کرتے اُن میں سے وہ جو ایسا کر سکتے ہیں۔''

iv) جو رفقاء تنظیمی مناصب پر فائز ہوں اُن کے لیے ضروری ہے کہ اختلافات کا اظہار صرف بالاتر ذمہ داران سے کریں' ماتحت عہدے داروں یا عام رفقاء سے ایسی گفتگو نظم کی خلاف ورزی ہے۔ یہ غلطی ہم سب سے ہو جاتی ہے۔ اللہ ہمیں معاف کرے اور آئندہ کے لیے احتیاط کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

۳) کسی رفیق اور بالخصوص ذمہ دار حضرات پر ذاتی تنقید اور شخصی محاسبہ کے ضمن میں بہت زیادہ احتیاط اور حد درجہ احساسِ ذمہ داری کو ملحوظ رکھنا لازم ہے۔ اِس حوالے سے مندرجہ ذیل امور پیشِ نظر رکھنا ضروری ہیں:

i) آدمی شعوری طور پر یہ دیکھے کہ تنقید کا مقصد اپنی بڑائی کا اظہار' کسی دوسرے کی توہین' تذلیل یا اُسے صدمہ پہنچانا یا محض لطف اندوز ہونا تو نہیں۔

ii) جس رفیق یا ذمہ دار ساتھی میں کوئی قابلِ اصلاح پہلو نظر آئے' لازم ہوگا کہ پہلے اُسے علیحدگی میں بالمشافہ گفتگو کے ذریعے اصلاح کی جانب متوجہ کیا جائے اور اِس سلسلے میں ایک مناسب مدت تک انتظار بھی کیا جائے کہ شاید وہ اپنی اصلاح کر لے۔ اِس مرحلے کو طے کیے بغیر تنقید اگر متعلقہ شخص کی غیر حاضری میں ہوگی تو ''غیبت'' کے حکم میں آئے گی جسے قرآن مجید میں مُردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے اور اگر رُو در رُو لیکن دوسروں کی موجودگی میں ہوگی تو ''ھمز'' اور ''لمز'' کے حکم میں ہوگی جس پر سورۃ الھمزۃ میں ''ویل'' کی وعید وارد ہوئی ہے۔ اللہ ہمیں اِن خرابیوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

iii) اگر مناسب کوشش کے بعد محسوس ہو کہ متعلقہ رفیق میں یا تو اصلاح کا ارادہ ہی موجود نہیں ہے یا قوتِ ارادی اتنی کمزور ہے کہ اصلاح پر قدرت حاصل نہیں اور دوسری طرف

اس کی کمزوری یا کوتاہی بھی اِس نوعیت یا درجہ کی ہے کہ اِس سے تنظیم کے مقصد یا نیک نامی کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے، تب بھی اِس معاملے کا عام چرچا غلط ہوگا اور صحیح طرزِ عمل یہ ہوگا کہ اُس کا معاملہ اُس سے بالاتر سطح تک پہنچا کر اپنے آپ کو کم از کم فوری طور پر بریُ الذمہ سمجھا جائے۔

iv) پھر اگر یہ محسوس ہو کہ اِس معاملے میں بالاتر نظم بھی کوتاہی یا تساہل سے کام لے رہا ہے تو معاملے کو درجہ بدرجہ اوپر لایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ بلا لحاظِ مرتبہ ومنصب جملہ رفقاء کے معاملات براہِ رست امیرِ تنظیم کے سامنے لائے جا سکتے ہیں اور کسی رکنِ مجلسِ مشاورت کے توسط سے مرکزی مجلسِ مشاورت کے اجلاس میں بھی پیش کیے جا سکتے ہیں۔ امیرِ تنظیم پر تنقید اِسی طریقۂ کار کے مطابق مرکزی مجلسِ مشاورت میں بھی کی جا سکتی ہے اور توسیعی مشاورت کے اجلاس میں بھی۔

v) ایک استثناء ہے کہ نظم کے ذمہ دار حضرات اپنے حلقۂ نظم میں شامل رفقاء کے بارے میں ایسے صلاح ومشورہ کر سکتے ہیں جو تنظیم کے مصالح کے لیے ناگزیر ہوں۔ ایسے شواہد ملیں کہ کسی رفیق کی سرگرمیاں تنظیم کی نیک نامی کے لیے مناسب نہیں ہیں تو نظمِ بالا اصلاحِ احوال کے لیے باہم مشاورت کر سکتا ہے۔ اِس استثناء کا ذکر قرآنِ حکیم میں اِس طرح آیا ہے:

﴿لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ (النساء)

''لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی، ہاں جو کوئی (پوشیدہ طور پر) خیرات یا (کسی اور) نیک کام یا لوگوں میں صلح وصفائی کی ترغیب دے (تو یہ البتہ بھلائی ہے)۔ اور جو کوئی اللہ کی خوشنودی کی طلب میں ایسے کام کرے گا تو (قیامت کے دن) ہم اُس کو اجرِ عظیم عطا کریں گے۔''

☆ حاصلِ کلام

ایک اسلامی تنظیم کے تمام رفقاء کو حسبِ ذیل امور کا اہتمام کرنا چاہیے:

i) اختلافِ رائے کے حوالے سے مندرجہ بالا آداب کا خیال رکھا جائے اور بار بار اُسرہ کے اجتماعات میں اِن آداب کی یاد دہانی کرائی جائے تاکہ یہ آداب ذہن نشین ہو جائیں۔ یہ بات ذہنوں میں بٹھا دی جائے کہ اختلاف کا اِظہار ہمیشہ صحیح اور بااختیار فورم پر کیا جائے تاکہ اختلاف کو ختم کرنے کے لیے اقدام کیا جا سکے۔ درست فورم کو چھوڑ کر اِدھر اُدھر

اظہارِ اختلاف کرنا ایک تخریبی عمل ہے۔

ii) کوئی ساتھی اگر نقیب، مقامی امیر، امیرِ حلقہ، ناظمِ اعلیٰ یا امیرِ تنظیم کے حوالے سے اختلافِ رائے یا منفی تأثر کا اظہار کرے تو اُس پر کوئی ایسی بات یا کوئی ایسا اشارہ (جیسے مسکراہٹ جو بعض اوقات بڑا deep message منتقل (convey) کر دیتی ہے) یا loose comment پاس نہ کیا جائے جس سے مخاطب یا کسی اور ساتھی کے اندر متعلقہ ذمہ دار کی اطاعت کا جذبہ ڈھیلا پڑ جانے کا امکان ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اِس بے احتیاطی سے محفوظ فرمائے۔ آمین!

iii) جب بھی کوئی ساتھی اختلافِ رائے کے اظہار کے لیے مذکورہ بالا آداب کی خلاف ورزی کرے تو اُسے توجہ دلائی جائے۔ اصلاح نہ ہونے پر خدا خوفی کا احساس دلایا جائے اور اگر موقع و محل ہو تو سختی سے بھی کام لیا جائے۔ بعض ساتھی ایسے ہوتے ہیں کہ بار بار توجہ دلانے کے باوجود ایک انتشار پیدا کر رہے ہوتے ہیں، چنانچہ اگر محسوس کیا جا رہا ہے کہ سختی کی ضرورت ہے تو سختی بھی کرنی چاہیے تاکہ تنظیم میں انتشار پیدا نہ ہو۔

iv) اجتماع کے دوران کچھ ساتھی ایک ساتھ بیٹھتے ہیں اور اُن میں سے بعض منفی لیکن دلچسپ comments پاس کرتے رہتے ہیں۔ سادہ لوحی میں بعض ساتھی اُن کے پاس بیٹھ کر لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اِس سے غلط روش کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ اجتماع میں آمد کا مقصد کچھ اور ہوتا ہے اور ہم کچھ اور کر رہے ہوتے ہیں۔ اجتماع میں آئے تھے تاکہ امیر کی گفتگو اور ہدایات سنیں، جو بھی وعظ و نصیحت ہو اُس سے استفادہ کریں، لیکن ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر ہم کچھ اور کر رہے ہوتے ہیں۔ ہمیں اِس حوالے سے خود بھی احتیاط کرنی چاہیے اور دوسرے ساتھیوں کو بھی توجہ دلانی چاہیے۔

v) جو ساتھی اختلافِ رائے یا نظمِ بالا کے احترام کے حوالے سے آداب و اخلاقیات کا التزام نہیں کرتے، اُن کے لیے خلوصِ دل سے اللہ کی بارگاہ میں ہدایت کی دعا کرنی چاہیے اور یہ دعا بھی کرنی چاہیے کہ اللہ منفی روش کے مضر اثرات سے اجتماعیت کو محفوظ فرمائے۔ آمین!

vi) اپنے لیے خصوصی دعا کی جائے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں شیطان کے حملوں اور نفاق کی بیماری سے محفوظ فرمائے۔ آمین!

اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قُلُوْبَنَا مِنَ النِّفَاقِ وَاَعْمَالَنَا مِنَ الرِّیَاءِ وَاَلْسِنَتَنَا مِنَ الْکَذِبِ وَاَعْیُنَنَا مِنَ الْخِیَانَةِ، فَاِنَّکَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ۔ آمین!

موسیقی

ایک مذہبی اور سائنسی تجزیہ

ڈاکٹر گوہر مشتاق، امریکہ

بیماری جتنی پرانی ہو جسم میں اس کی جڑیں اتنی ہی گہری ہوتی ہیں۔ موسیقی بھی ایک ایسی بیماری ہے جو اسلامی معاشرے پر خلافتِ راشدہ کے دَور کے ختم ہونے کے بعد حملہ آور ہوئی۔ تاہم اُمتِ مسلمہ کا نظامِ دفاع اُس وقت کافی مضبوط تھا، اس لیے موسیقی کی بیماری قوم کے انتہائی قلیل حصہ پر ہی اثر انداز ہو سکی۔ آج چودہ سو سال کے بعد جبکہ اُمت مسلمہ کا نظامِ دفاع (Immune System) کمزور ہو چکا ہے، یہ بیماری قوم کے مزاج میں سرایت کر چکی ہے، اور موسیقی جو کہ درحقیقت روح کی سزا ہے، اب اسے روح کی غذا قرار دیا جانے لگا ہے۔ بقولِ اقبال: ؎

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

آیئے موسیقی اور گانے بجانے کا مذہب اور سائنس کی روشنی میں تجزیہ کرتے ہیں۔

موسیقی کی حرمت، اسلام میں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ (لقمٰن)

''بعض آدمی ایسے بھی ہیں جو 'لہو الحدیث' (کلامِ دلفریب) خریدتے ہیں، تاکہ بغیر کسی دلیل کے خدا کی راہ سے بھٹکائیں اور اسے مذاق بنائیں۔ یہ لوگ ہیں جن کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ''لہو الحدیث'' کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
''لہو الحدیث سے مراد غناء ہے' قسم ہے اُس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یہ کلمہ حضرت عبداللہؓ نے تین بار فرمایا۔'' اسی طرح ترجمان القرآن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما' حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور اکابر تابعین عکرمہ' سعید بن جبیر' مجاہد' مکحول' عمرو بن شعیب اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہم کے مطابق ''لہو الحدیث'' سے مراد گانا بجانا اور موسیقی ہے۔

اسی طرح سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۶۴ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا:

﴿وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ.....﴾

''اور تُو جس جس کو اپنی آواز سے پھسلا سکتا ہے پھسلا لے.....''

ابن عباسؓ اور تابعین میں ضحاک اور مجاہد کے مطابق شیطان کے آواز سے پھسلانے میں موسیقی اور گانا بجانا شامل ہے۔

موسیقی کی حرمت میں بے شمار احادیث ہیں۔ اُن میں سے صحیح بخاری کی حدیث ملاحظہ ہو۔ عبدالرحمٰن بن غنم الاشعریؒ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت ابو عامرؓ یا حضرت ابو مالکؓ (یہ دونوں صحابیٔ رسولؐ ہیں) نے حدیث بیان کی' اللہ کی قسم انہوں نے مجھ سے جھوٹی بات بیان نہیں کی' انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

((لَيَكُوْنَنَّ مِنْ اُمَّتِیْ اَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّوْنَ الْحِرَ وَالْحَرِيْرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ)) (۱)

''میری اُمت میں ایسے لوگ (یا گروہ) لازماً پیدا ہوں گے جو زنا' ریشم' شراب اور گانے بجانے کے آلات کو حلال قرار دیں گے۔''

اس حدیث کے تجزیہ سے پتا چلتا ہے کہ موسیقی اگر حرام نہ ہوتی تو اُسے شراب اور زنا کے ساتھ بیان نہ کیا جاتا۔ ''يَسْتَحِلُّوْنَ'' (یعنی حلال قرار دیں گے) بھی اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ موسیقی درحقیقت حرام ہے اور کچھ لوگ اسے حلال قرار دیں گے۔ اسی طرح سنن ابنِ ماجہ میں مروی حدیث نبویؐ ہے:

((لَيَشْرَبَنَّ نَاسٌ مِنْ اُمَّتِیَ الْخَمْرَ يُسَمُّوْنَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا' يُعْزَفُ عَلٰى رُءُوْسِهِمْ بِالْمَعَازِفِ وَالْمُغَنِّيَاتِ يَخْسِفُ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ وَيَجْعَلُ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ)) (۲)

''عنقریب میری اُمت کے کچھ لوگ لازماً شراب پئیں گے اور اُس کا نام بدل دیں گے۔ان کے سروں پر باجوں گاجوں اور گانے والیوں کا شور اور ہنگامہ ہوگا۔اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو زمین میں دھنسا دے گا اور ان میں سے بعض کو بندر اور خنزیر بنا دے گا۔''

اس حدیث میں بیان کی گئی پیشین گوئی ہم آج اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ پہلے پہل جب ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈر ایجاد ہوئے تھے تو ان کے سائز بہت بڑے تھے۔اب کمپیوٹر ٹیکنالوجی کے کمال سے walkman اور portable CD players کی آمد سے ہمیں نوجوان حضرات اپنے ''سروں پر ناچ گانے'' یعنی head phones لگائے نظر آتے ہیں۔ دوسری بات جو حدیث میں بیان ہوئی ہے اس سے مراد مسخ باطنی بھی ہوسکتا ہے' یعنی اللہ انہیں صفات کے اعتبار سے سور اور بندر بنا دے گا۔علمِ حیاتیات سے ہمیں پتا چلتا ہے کہ سُور کی سب سے اہم صفت اس کا بے غیرت اور بے حیا ہونا ہے اور بندر کی دو اہم صفات نقالی کرنا (acting) اور اِدھر سے اُدھر چھلانگیں مارنا ہیں۔اب آپ Showbiz یعنی فلم اور ٹی وی کی دنیا دیکھ لیں۔ یہ صفات گلوکاروں اور فنکاروں میں بدرجۂ اتم موجود ہوتی ہیں اور آہستہ آہستہ آج کل کی نوجوان نسل میں سرایت کرتی جارہی ہیں۔

مزید برآں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینؒ کے علاوہ چاروں ائمہ فقہاء بھی اس بات پر متفق ہیں کہ موسیقی اور گانا بجانا حرام ہے۔مثلاً امام مالکؒ سے اسحٰق بن موسیٰؒ نے سوال کیا کہ اہل مدینہ کس قسم کے گانے کو مباح سمجھتے ہیں؟ امام مالکؒ نے جواب دیا: ''یہ فعل ہمارے ہاں صرف فاسق ہی کرتے ہیں۔''

موسیقی اور نشہ

حدیث نبویؐ میں موسیقی کو نشہ (شراب) کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔موسیقی ذہن کو اُسی طرح مفلوج اور ہپناٹائز کرتی ہے جس طرح نشہ آور اشیاء مثلاً شراب' چرس' ہیروئن اور کوکین وغیرہ کرتے ہیں۔ راک میوزک کے عالمی جینیئس امریکی گلوکار جمی ہینڈرکس (Jimi Hendrix) نے ۱۹۶۹ء میں امریکہ کے Life میگزین کے انٹرویو میں کہا تھا: ''تم میوزک سے لوگوں کو ہپناٹائز کر سکتے ہو اور جب تم انہیں ذہنی لحاظ سے کمزور ترین مقام پر پہنچا دو تو تم اُن کے لاشعور میں وہ باتیں پہنچا سکتے ہو جو تم چاہتے ہو۔''

اسی طرح ایک میڈیکل جرنل Postgraduate Mediume میں امریکی محقق کنگ پی کے مطابق ایک میڈیکل ریسرچ میں نشہ کرنے والے نوجوانوں کا سروے کیا

گیا تو اُن میں سے ۶۰ فیصد نے اپنا نمبر ایک انتخاب موسیقی کو قرار دیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ موسیقی اور منشیات کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ٹائم میگزین کے ۱۹۶۹ء کے شمارے میں بتایا گیا ہے کہ گانے بجانے والوں کی اکثریت نشہ کرتی ہے اور اُن کے اشعار میں ایسے بہت سے حوالے پائے جاتے ہیں۔ مثلاً ڈیلوٹ انڈر گراؤنڈ کا گانا جس کا عنوان ''ہیروئن'' تھا' اس کو سن کر کافی نوجوانوں نے منشیات کا استعمال شروع کر دیا اور اس کا انجام بہت عبرتناک ہوا۔

اسی طرح دو مختلف یونیورسٹیوں میں تجربات کرنے سے یہ پتا چلا کہ لیبارٹری میں بنائی گئی بھول بھلیوں (Maze) کے رستوں کو دریافت کرنے میں چوہوں کو اُس وقت انتہائی مشکل پیش آتی ہے جب وہاں پاپ میوزک چل رہا ہو۔ گویا جانوروں کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں بھی موسیقی کے اثر سے مفلوج ہو جاتی ہیں۔ (بحوالہ رسالہ Insight)

غنا اور زنا میں گہرا تعلق

اوپر بیان کی گئی حدیث میں غنا (گانے بجانے) کے ساتھ جو دوسری چیز بیان ہوئی ہے وہ زنا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ غنا اور زنا دونوں دل میں منافقت پیدا کرتے ہیں۔ سورۃ النور میں زنا کی حدّ اور ستر کے احکام بیان کرنے کے فوراً بعد نفاق اور منافقین کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ اسی طرح حدیث میں بیان ہوا ہے:

((اَلْغِنَاءُ یُنْبِتُ النِّفَاقَ فِی الْقَلْبِ)) (۳)

''گانا بجانا دل میں نفاق کا بیج بوتا ہے۔''

اگر ہم فائن آرٹ کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو کسی بھی دَور کی مصوری یا Paintings کو دیکھیں' چاہے وہ Impressionism کا دَور ہو یا Romanticism کا دَور' Classicism کا دَور ہو یا Neo-classicism کا دَور' ہر دَور کی پینٹنگز میں ہم دیکھیں گے کہ عورت' موسیقی کے آلات اور شراب کو ایک ساتھ دکھایا گیا ہے' کیونکہ غنا' زنا اور نشہ تینوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔

علامہ ابن جوزی اپنی کتاب ''تلبیس ابلیس'' میں لکھتے ہیں:

> ''گانے میں دو مضرتیں جمع ہیں' ایک طرف تو وہ قلب کو عظمتِ الٰہی میں تفکر سے روکتا ہے' دوسری طرف اسے مادّی لذتوں کی طرف راغب کرتا ہے۔ لہٰذا گانا زنا کی ترغیب دیتا ہے''۔

اگر ہم پاکستان میں پیش کیے جانے والے میوزک کا تجزیہ کریں تو اُس میں ایک ہی پیغام ہوتا ہے اور وہ ہے ''شادی سے پہلے محبت کرنا''۔ گانوں میں پیش کی گئی آزاد محبت (Free Love) کی انتہا بربادی کے سوا کچھ نہیں۔

مشہور عیسائی مفکر ایلن بلوم (Allan Bloom) موسیقی کے متعلق رقمطراز ہے:

''موسیقی کا ایک ہی پیغام ہوتا ہے اور وہ ہے جنسی بے راہ روی ..... پاپ میوزک، شوبزنس کی تمام تر مدد سے، بچوں کو چاندی کی پلیٹ میں وہ چیز سجا کر دیتا ہے جس کے متعلق اُن کے والدین نے اُن کو ہمیشہ یہ تعلیم دی تھی کہ وہ انتظار کریں، حتیٰ کہ وہ بڑے ہو جائیں۔ گانوں کے الفاظ کبھی ڈھکے چھپے اور کبھی واضح الفاظ میں بچوں کو بے حیائی کی طرف اُبھارتے ہیں۔''

امریکہ کے عمرانی سائنس دان Greeson اور Williams نے انتہائی اہم ریسرچ کی، جو کہ ''Youth Society'' رسالے کے ۱۹۸۶ء کے شمارے میں شائع ہوئی۔ گریسن اور ولیمز نے ساتویں اور دسویں جماعت کے طالب علموں کو ایک گھنٹے تک میوزک ٹی وی (MTV) پر میوزک ویڈیوز دکھائے اور دوسرے گروپ کو ایسی کوئی چیز نہیں دکھائی، اس ریسرچ میں انہیں پتا چلا کہ نوجوانوں کے جس گروپ نے میوزک ویڈیوز دیکھی تھیں اُن کی رائے Premarital Sex (زنا کاری) کے حق میں ہوگئی بنسبت اُس گروپ کے جس نے میوزک ویڈیوز نہیں دیکھی تھیں۔

دف بجانے کی اجازت

صحیح بخاری کی ایک حدیث ہے:

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ میرے ہاں تشریف لائے۔ اُس وقت دو چھوٹی لڑکیاں جنگ بعاث کے گانے گا رہی تھیں۔ نبی اکرم ﷺ بستر پر لیٹ گئے اور دوسری طرف کروٹ لے لی اور چہرۂ مبارک پھیر لیا۔ اتنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور مجھے ڈانٹتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں یہ شیطانی گیت؟ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا: ''ان کو رہنے دو، یہ عید کا دن ہے''۔

اس حدیث میں بیان کردہ چند امور پر روشنی ڈالنا ضروری ہے:

(۱) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اس موقع پر ٹوکنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ انہوں نے اس سے پہلے

گانے بجانے کی مذمت نبی اکرم ﷺ سے سنی ہوگی جس کی بنا پر اُن کا خیال تھا کہ یہ ممانعت ہر موقع پر منطبق ہوگی۔ لیکن یہ بھی یاد رہے کہ نبی اکرم ﷺ کا مُنہ پھیر کر لیٹ جانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ گھر کے ذمہ داروں اور بزرگوں کو ایسے مشاغل سے بالاتر رہنا چاہیے۔ (تفسیر روح المعانی)

(۲) وہ دو لڑکیاں جو گانے گا رہی تھیں وہ پیشہ ور گلوکارائیں نہ تھیں، نہ ہی ان کے اشعار میں کوئی چیز ایسی تھی جو عشق و محبت کے جذبات کو بھڑکائے۔

(۳) حدیث میں الفاظ ''عِنْدِیْ جَارِیَتَانِ تُغَنِّیَانِ'' استعمال ہوئے ہیں۔ لفظ ''جَارِیَة'' کی تشریح میں علامہ عینیؒ ''عمدۃ القاری'' میں لکھتے ہیں: ''عورتوں میں جاریہ نابالغ بچیوں کو کہتے ہیں، جس طرح غلام کا لفظ مَردوں میں نابالغ لڑکے پر بولا جاتا ہے''۔ (بحوالہ مولانا عبدالغفار حسن، ماہنامہ میثاق، جنوری ۲۰۰۳ء)

اس بحث سے یہ پتا چلتا ہے کہ شادی یا عید کے موقع پر لڑکیاں دف بجا سکتی ہیں اور یہ زیادہ سے زیادہ گنجائش ہے جو شریعت نے دی ہے۔ اسلامی شریعت میں اس کی کوئی گنجائش نہیں کہ عورتیں مردوں کے سامنے ناچیں، یا جوان بہنیں اپنے بھائی (وِیر) کی شادی پر اُس کے سامنے ناچیں، یا شادی پر ڈھولک بجانے والی لڑکیوں کی ویڈیو موویز بنے اور پھر وہ ہر نامحرم مرد دیکھے۔ ایسی چیزیں ''گناہِ جاریہ'' ہوتی ہیں جن سے ہمیں بچنا چاہیے۔

اس کے ساتھ ساتھ اس بات پر بھی افسوس ہے کہ پاکستان کے مغرب زدہ طبقے کے آقا و مولا (یعنی امریکہ اور یورپ) کے ہاں کی گئی نئی تحقیقات تو موسیقی کو سراسر نقصان دہ بتاتی ہیں اور ہمارے ''روشن خیال'' اربابِ فکر و نظر اچھی باتوں میں اپنے آقا کی تقلید نہیں کرتے۔ اپنی سرپرستی میں پی ٹی وی کے چینل تھری (یعنی تھرڈ کلاس چینل) پر دن بھر موسیقی لگائے رکھتے ہیں، بلکہ موسیقی کے وائرس کے شکار مسلمان شائقین کی فرمائش پر مختلف میراثیوں کے گانے دکھاتے ہیں۔ ہمیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قول نہیں بھولنا چاہیے:

''بدترین ہے وہ شخص جس کے مرنے کے بعد بھی اُس کا گناہ دنیا میں جاری رہے''۔

حواشی

۱) صحیح البخاری، کتاب الاشربۃ، باب ما جاء فیمن یستحل الخمر و یسمیہ بغیر اسمہ۔

۲) سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب العقوبات۔

۳) سنن ابی داؤد، کتاب الآداب، باب کراھیۃ الغناء والزمر۔

وقت کی قدر

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

انسانی زندگی میں سب سے قیمتی چیز وقت ہے۔ جو شخص اس کی قدر سے بے خبر ہے وہ غفلت میں پڑا ہوا ہے' ایسا شخص دنیا میں کوئی قابل ذکر کارنامہ انجام نہیں دے سکتا۔ اگر ہم دنیا کے عظیم انسانوں کی زندگیوں کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ انہوں نے اپنے شب و روز کے اوقات سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ مشہور واقعہ ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح رات گئے مصروفِ مطالعہ تھے۔ بہن نے دیکھا تو کہنے لگی کہ بھائی اب سو جاؤ۔ بھائی نے جواب دیا کہ قوم سوئی ہوئی ہے' اگر میں بھی سو جاؤں تو اسے کون جگائے گا؟

وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا۔ صبح کے بعد دوپہر آتی ہے' دوپہر کے بعد سہ پہر اور پھر سورج کی تمازت میں کمی آ جاتی ہے اور وہ اپنے مقررہ وقت پر غروب ہو کر دن کے خاتمے کا اعلان کر دیتا ہے۔ یہ دن جو گزرا ہے خوش قسمت ہیں وہ جنہوں نے اس سے فائدہ اٹھایا اور حسرت ہے اُن پر جو غافل اور بے کار رہے۔ یہ گزرا ہوا دن کبھی واپس نہیں ہوگا۔ اگلے دن کا سورج طلوع ہوتا ہے تو وہ اپنے تقاضے ساتھ لے کر آتا ہے۔ جنہوں نے ابھی گزرے ہوئے کل کا کام کرنا ہے وہ اس کو مکمل کریں گے تو آج کا کام کیسے پورا ہوگا؟ مشہور کہاوت ہے کہ آج کا کام کل پر مت چھوڑو۔ روز کا کام روز نبٹانے والے کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہیں۔ ان کو سہولت بھی رہتی ہے' کیونکہ اُن کے سامنے کام کے ڈھیر نہیں لگتے بلکہ وہ آسانی کے ساتھ روز کا کام روز کر کے فارغ ہوتے جاتے ہیں۔ بلکہ عظیم لوگ تو رات کے اوقات کو بھی محض سو کر گزارنے کی بجائے اُن سے فائدہ اٹھاتے ہیں' جیسا کہ ابھی قائداعظم کے متعلق اوپر بیان ہوا کہ وہ رات کو بھی دیر تک کام کرتے رہتے تھے۔

وقت کی مثال برف کی سی ہے۔ برف فروش کی برف لگاتار پگھل کر ضائع ہو رہی ہے' اُس کو صرف اُس برف کے دام ملیں گے جو فروخت ہوئی۔ یوں جس شخص نے اپنے وقت کو

مفید مصروفیت میں گزارا وہ اچھا رہا اور جس نے وقت بے کار ضائع کیا' یعنی سو کر گزار دیا یا غیر صحت مند مشاغل میں لٹکا رہا اُس کے حصہ میں حسرت اور پشیمانی کے سوا کچھ نہیں آئے گا اور یہ حسرت خود اذیت ناک ہے۔ ہر شخص کی مہلتِ عمر مقرر ہے جس کا کسی فرد بشر کو علم نہیں اور یہ مدتِ عمر لحظہ بہ لحظہ کم ہو رہی ہے۔ غافل انسان تو اپنی سالگرہ منا کر خوش ہوتا ہے حالانکہ سالگرہ یہ خبر دے رہی ہے کہ آج اس کی مہلت عمر میں سے پورا ایک سال کم ہو گیا ہے۔ گویا اُسے جو وقت فائدہ اٹھانے کے لیے دیا گیا تھا اُس میں سے ایک سال بیت گیا ہے ؎

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی
گردوں نے گھڑی عمر کی اک اور گھٹا دی

اور جو سال بیت گیا ہے اُس کے شب و روز واپس نہیں آ سکتے' البتہ زندگی کے بقیہ سالوں سے فائدہ اٹھانے کا عزم کیا جا سکتا ہے' ورنہ وہ بھی اسی طرح غفلت میں گزر جائیں گے اور کچھ بھی ہاتھ نہیں آئے گا۔ عقل مند وہ ہے جو وقت کی قدر و قیمت سے آگاہ رہے اور تضیع اوقات سے قطعاً باز رہے۔ ایسا شخص آنے والے اوقات کے لیے پہلے سے پروگرام بنا کر رکھتا ہے' اُس کی منصوبہ بندی دُور رس ہوتی ہے' وہ ہمہ وقت چوکس اور مستعد رہتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ مال ضائع ہو گیا تو دوبارہ مل سکتا ہے' صحت جیسی نعمت چھن گئی تو تندرستی بحال ہونا ممکن ہے' مگر وقت ضائع ہو گیا تو اُس کا ایک سیکنڈ بھی واپس لانا کسی طور پر ممکن نہیں۔

عنفوانِ شباب مہلت عمر کا بہترین حصہ ہے۔ اس میں انسان مستقبل کے سہانے خواب دیکھتا ہے' مگر وہی لوگ اپنی خواہشات کی تکمیل کر پاتے ہیں جو آنے والے وقت کو خوب تر بنانے کے لیے جوانی میں ہی صحت مند مشاغل کو اپناتے اور وقت ضائع کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ جوانی کا زمانہ طالب علم کالج یا یونیورسٹی میں گزارتے ہیں' جہاں ہر قسم کے دوست مل جاتے ہیں۔ پس جس کو سہولت پسند اور تن آسان دوستوں کا ساتھ مل گیا وہ تو تباہ ہو گیا' کیونکہ اس کا وقت خوش گپیوں' فضول بحث وتمحیص' بے کار مشاغل اور ٹی وی کے بے مقصد بلکہ بے حیائی پر مبنی پروگرام دیکھنے میں گزرے گا یا پھر وہ گھومنے پھرنے' کھانے پینے اور نظر بازی میں وقت گزارے گا۔ دریں اثنا اُس کے عقل مند ساتھی دن رات کے اوقات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سے آگے نکل جائیں گے۔ اور اپنے ہم عمر اور ہم سبق ساتھیوں سے پیچھے رہ جانا کوئی دانش مندی نہیں بلکہ ذلت اور بے عزتی کی بات ہے۔ اب جبکہ وقت ہمارے پاس ہے' ہمیں وقت گزرنے کا شعور بھی ہے تو پھر کتنی بڑی حماقت ہے کہ ہم اس کی قدر نہ کریں اور مستقبل سنوارنے کے لیے جدوجہد نہ کریں۔ جس نے جوانی میں وقت ضائع کیا وہ بڑھاپے کی کمزوری میں کیا تیر مار لے گا! اُس وقت تو اگر ارادہ بھی کرے گا تو ضعف پیری آڑے آئے گا اور کچھ بھی تو نہیں کر پائے گا۔

یہ دنیا انسان کے لیے امتحان گاہ ہے۔ مہلت عمر کچھ کر گزرنے کا تقاضا کرتی ہے۔ کسی انسان نے بھی یہاں سدا نہیں بیٹھ رہنا۔ جو پہلے تھے وہ نہیں رہے اور جو آج ہیں وہ کل کو نہیں ہوں گے۔ ہر شخص کو دنیا میں کیے ہوئے اعمال کی جواب دہی کرنا ہوگی۔ جہاں اس دنیا میں رہتے ہوئے ہمیں فراخ روزی' عزت اور وقار کے حصول کے لیے جدوجہد کرنا ہے وہاں جواب دہی اور مسئولیت سے بے خبری ہرگز روا نہیں۔ بلکہ ہمیں ہر لحہ اگلی زندگی جو کبھی ختم نہ ہو گی' کو سنوارنے کے لیے پوری تندہی کے ساتھ کوشش کرنا ہے' اور وہ تبھی ہو سکتا ہے جب ہم وقت سے بھرپور فائدہ اٹھائیں۔ قرآن مجید میں ہے کہ موت کے وقت انسان کی خواہش ہو گی کہ اسے کچھ مزید مہلت دی جائے تو وہ ضرور صدقہ خیرات کر کے نیکوکاروں میں شامل ہو جائے گا' مگر کسی کی یہ خواہش پوری نہ ہو گی' کیونکہ موت کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتی۔ بس موت سے پہلے پہلے جو کچھ کرنا ہے کرنا ہے۔ موت کے بعد تو اپنے کیے کا حساب ہی دینا ہے' کیونکہ عمل کا وقت تو موت سے پہلے پہلے ہے۔

مشہور صوفی بزرگ فریدالدین عطار ''منطق الطیر'' میں لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک

بزرگ کو خواب میں دیکھا تو سلام کیا' مگر اس بزرگ نے سلام کا کوئی جواب نہ دیا۔ اس شخص نے پوچھا اے نیک بزرگ! سلام کا جواب تو ضرور دینا چاہیے' مگر میں نے سلام کیا آپ نے جواب ہی نہیں دیا۔ اس پر اس بزرگ نے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ سلام کا جواب دینا ضروری ہے مگر ہم تو یہاں عالمِ برزخ میں ہیں' ہماری عمل کرنے کی مہلت ختم ہو چکی ہے۔ یہاں ہم پر عبادت اور نیکی کا دروازہ بالکل بند ہو چکا ہے۔ جب تک ہم دنیا میں تھے تمہاری طرح عبادات کر سکتے اور حسنات جمع کر سکتے تھے۔ یہاں آ کر اب معلوم ہوا ہے کہ زندگی بڑی قیمتی چیز ہے' مگر افسوس اب ہم عالمِ برزخ میں ہیں اور کوئی نیک عمل نہیں کر سکتے۔ دنیا میں ہمارا ہر سانس قیمتی موتی تھا مگر ہم نے اس کی قدر نہیں پہچانی' جو کام کرنے کے لائق تھے وہ نہ کیے۔ اب رونے دھونے کا کوئی فائدہ نہیں۔ جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اب تو قبر کے قید خانے میں بند ہیں۔ پرندے کو اپنے بال و پر کی قدر اُس وقت معلوم ہوتی ہے جب اس کے پر نوچ لیے جائیں۔ اے پگلے تجھے عمر کی کیا قدر ہے۔ عمر کی قدر و قیمت ان سے پوچھ جو قبروں میں پڑے ہیں' وہ تجھے بتائیں گے کہ عمر عزیز کتنی قیمتی چیز ہے!

مہلت عمر کی قدر و قیمت کے بارے میں ایک حدیث بھی سن لیجیے:

''حضرت عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ بنی عذرہ میں سے تین آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے (اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قیام کا ارادہ کیا) تو آپؐ نے (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے) فرمایا کہ ان نومسلم مسافروں کی خبر گیری میری طرف سے کون اپنے ذمہ لے سکتا ہے؟ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ چنانچہ یہ تینوں اُن کے پاس رہنے لگے۔ اسی اثنا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر کسی جگہ کے لیے روانہ فرمایا' تو ان تینوں صاحبوں میں سے ایک اُس لشکر میں چلے گئے اور وہاں شہید ہو گئے۔ پھر آپؐ نے ایک اور لشکر روانہ فرمایا تو ایک دوسرے ساتھی اس میں چلے گئے اور وہ بھی جا کر شہید ہو گئے' پھر (کچھ دنوں بعد) ان میں سے تیسرے جو باقی بچے تھے اُن کا انتقال بستر ہی پر ہو گیا۔ (حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن شداد) کہتے ہیں کہ طلحہ رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا کہ میں نے خواب میں اُن تینوں ساتھیوں کو جنت میں دیکھا اور یہ دیکھا کہ جو صاحب سب سے آخر میں اپنے بستر پر طبعی موت مرے وہ سب سے آگے ہیں' اور اُن کے قریب اُن کے وہ ساتھی ہیں جو دوسرے نمبر پر شہید ہوئے تھے' اور اُن کے قریب اُن کے وہ

ساتھی ہیں جو پہلے شہید ہوئے تھے۔ اِس خواب سے میرے دل میں شبہ اور خلجان پیدا ہوا (کیونکہ میرا خیال تھا کہ شہید ہونے والے اُن دو ساتھیوں کا درجہ اس تیسرے ساتھی سے بلند ہوگا جس کا انتقال بستر پر طبعی موت سے ہوا) پس میں نے رسول اللہ ﷺ سے اِس خواب اور اپنے اس تأثر اور خلجان کا ذکر کیا' آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اس میں تم کو کیا بات اوپری اور غلط معلوم ہوتی ہے؟ (تم نے ان کے درجات کی جو ترتیب دیکھی ہے وہی ہونا چاہیے اور جو تیسرا ساتھی اپنے دو ساتھیوں کی شہادت کے بعد بھی کچھ عرصہ زندہ رہا' اور نمازیں پڑھتا رہا' اور اللہ کا ذکر کرتا رہا' اُسی کو سب سے آگے اور بلند تر ہونا چاہیے' کیونکہ) اللہ کے نزدیک اُس مؤمن سے کوئی افضل نہیں جس کو ایمان اور اسلام کے ساتھ عمر دراز ملے' جس میں وہ اللہ کی تسبیح (سبحان اللہ کا ذکر)' تکبیر (اللہ اکبر کا ذکر) اور تہلیل (لا الٰہ اِلّا اللہ کا ذکر) کرے۔'' (مسند احمد)

گویا جس نومسلم کو دوسروں سے زیادہ عمر ملی اور وہ ان دنوں میں اللہ کا ذکر کرتا رہا تو اس کا مقام و مرتبہ شہید ہونے والوں سے بھی بڑھ گیا۔ کیونکہ عزمِ شہادت نے اُسے بھی مقامِ شہادت پر فائز کر دیا تھا اور اُسے جو وقت ملا اس میں اُس نے زندہ رہ کر مزید نیکیاں کیں جنہوں نے اس کے نامۂ اعمال کو پہلے شہید سے زیادہ وزنی کر دیا۔ یہ برکت ہے وقت سے فائدہ اٹھانے کی۔

مسلمان کتنا خوش نصیب ہے کہ اپنے فارغ وقت میں اللہ کا ذکر کرتا رہے تو ڈھیروں ثواب حاصل کرتا ہے۔ بس شرط یہ ہے کہ قرآن و سنت کی تعلیمات کے مطابق عمل کرنے والا ہو اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی نافرمانی سے باز رہے۔ خالص دین پر عمل کرنا کچھ مشکل نہیں۔ البتہ جو ''اصر و اغلال'' لوگوں نے خود اپنی طرف سے تجویز کر کے دین میں شامل کر رکھے ہیں انہوں نے دین کو مشکل بنا دیا ہے۔ ہمیں راہ ہدایت کی تلاش کے لیے اوّل قرآن مجید کی طرف رجوع کرنا چاہیے جو حبل اللہ المتین ہے اور پھر سیرت رسول ﷺ سے راہ نمائی لینی چاہیے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں تمہارے لیے بہترین نمونہ موجود ہے۔ oo

مُحرّمات (۴)

(حرام اُمور، جن سے بچنا ضروری ہے)

حافظ محمد زبیر

(۱۹) عورت کا بغیر کسی شرعی عذر کے خاوند کے پاس بستر پر آنے سے انکار کرنا

اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے:

((اِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَهٗ اِلٰی فِرَاشِهٖ فَأَبَتْ فَبَاتَ غَضْبَانَ عَلَيْهَا لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتّٰی تُصْبِحَ)) (۱)

''جب کوئی مرد اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کر دے، جبکہ مرد اس پر غصے کی حالت میں رات گزارے تو ایسی عورت پر صبح تک فرشتے لعنت کرتے رہتے ہیں''۔

اکثر عورتیں مرد کے اس حق کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ نے مَردوں میں جنس کا جذبہ عورتوں کی نسبت زیادہ رکھا ہے۔ اسی جنسی جذبہ کی جائز ذرائع سے تسکین اور اسے حرام ذرائع سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مردوں کو چار شادیوں کی اجازت دی ہے۔ اگر عورت مرد کی اس خواہش کا احترام نہ کرے گی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ اپنی اس خواہش کی تسکین کے لیے حرام ذرائع تلاش کرے گا۔ لیکن جس طرح عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس مسئلے میں مرد کے ساتھ تعاون کرے اسی طرح مرد کا بھی یہ اخلاقی فرض ہے کہ وہ عورت کے ایامِ حمل، مرض یا نفسیاتی دباؤ وغیرہ کو اہمیت دے، تاکہ میاں بیوی دونوں میں محبت و الفت پیدا ہو اور ضد و عداوت ختم ہو۔ کیونکہ ان معاملات میں بعض اوقات شوہروں کی طرف سے بیویوں پر سختی کرنے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عورتیں ہمیشہ کے لیے

جنسی تعلقات میں اپنی دلچسپی کھو بیٹھتی ہیں' بعد ازاں ایسا تعلق نبھانے میں انہیں نفرت محسوس ہوتی ہے۔

(۲۰) بیویوں کے درمیان عدل نہ کرنا

اگر کسی شخص کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے درمیان عدل کرنا واجب ہے۔ عدل سے مراد یہ ہے کہ سب بیویوں کو ایک جتنا وقت' نان نفقہ اور رہائش وغیرہ دے۔ جہاں تک قلبی جذبات کا تعلق ہے تو اس میں عدل انسان کی استطاعت سے باہر ہے' اس لیے اس کا مطالبہ بھی نہیں کیا گیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ﴾ (النساء:۱۲۹)

''اور تم اس بات کی استطاعت ہرگز نہیں رکھ سکتے کہ اپنی بیویوں کے درمیان (پورا پورا) عدل کرو چاہے تم کتنی ہی خواہش کیوں نہ کرلو۔ پس تم بالکل کسی ایک کی طرف نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو لٹکا رکھو''۔

اگر کوئی شخص اپنی ایک بیوی کا دھیان زیادہ رکھتا ہے اور دوسری کی طرف اتنی توجہ نہیں دیتا تو اس کا یہ فعل قرآن وسنت کی نظر میں حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((مَنْ كَانَتْ لَهُ امْرَأَتَانِ فَمَالَ اِلٰى اِحْدَاهُمَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَشِقُّهُ مَائِلٌ))[۲]

''جس کسی کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں سے کسی ایک کی طرف مائل ہو جائے (یعنی ان دونوں میں عدل نہ کرے) تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو مفلوج ہوگا''۔

(۲۱) ظہار کرنا

ظہار سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو یہ بات کہے کہ تو میرے اوپر ایسے حرام ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ' یا کہے کہ تو میرے لیے میری بہن کی طرح حرام ہے۔ دورِ جاہلیت میں عربوں میں عورتوں سے ظہار کرنا ایک عام عادت تھی۔ قرآن نے اس فعل شنیع کی مذمت کی ہے اور اس کا سخت کفارہ مقرر کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰۗـِٔيْ

وَلَدْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ﴾ (المُجادلة:٢)

''تم میں سے جولوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں بن جاتیں' ان کی مائیں تو وہ ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے۔اور بے شک وہ ایک نامعقول اور جھوٹی بات کررہے ہیں''۔

اگلی آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کا کفارہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ﴾ (المُجادلة:٣'٤)

''اور جولوگ تم میں سے اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں' پھر اپنے قول سے رجوع کر لیتے ہیں تو ان کے ذمے ایک گردن کو آزاد کرانا ہے اس سے پہلے کہ وہ دونوں (میاں بیوی) آپس میں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔(اے مسلمانو!) تمہیں اس چیز کی نصیحت کی جارہی ہے۔اور جو کچھ تم کررہے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔پس جو اِس کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ دو مہینے کے لگاتار روزے رکھے اس سے پہلے کہ وہ دونوں (میاں بیوی) ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔پس جو اِس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔''

(۲۲) عورت کا بغیر کسی شرعی عذر کے اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرنا

ہمارے معاشرے میں اکثر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ جب بھی میاں بیوی میں کسی چھوٹی سی بات پر اختلاف یا جھگڑا ہو جاتا ہے تو عورتیں اپنے شوہروں سے طلاق کا مطالبہ کرنے لگ جاتی ہیں۔اور اکثر اوقات طلاق کی وجوہات میں سے ایک بڑی وجہ یہی ہوتی ہے کہ جھگڑے کے وقت بیوی اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرتی ہے اور وہ اسے فوراً طلاق دے دیتا ہے' لیکن جیسے ہی اُن کا غصہ ٹھنڈا پڑتا ہے تو دونوں کو اس پر ندامت ہوتی ہے۔احادیث میں اللہ کے رسول ﷺ کی ایسی عورتوں کے بارے میں سخت وعید آئی ہے جو کہ بغیر کسی شرعی عذر کے

محض معمولی گھریلو یا انتظامی اختلافات کی بنیاد پر اپنے شوہروں سے طلاق کا مطالبہ کرتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((أَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا مِنْ غَيْرِ بَأْسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ)) (۳)

''جس عورت نے بھی اپنے شوہر سے بغیر کسی وجہ (تنگی یا تکلیف) کے طلاق مانگی تو اس پر جنت کی خوشبو بھی حرام ہے۔''

لیکن اگر عورت کسی شرعی عذر کے سبب سے اپنے شوہر سے طلاق مانگتی ہے' مثلاً اس کا شوہر نماز نہیں پڑھتا' شراب نوشی کا عادی ہے' اپنی بیوی پر ظلم کرتا ہے وغیرہ' تو یہ جائز ہے۔ ایسی صورت میں طلاق یا خلع لینے سے عورت گناہگار نہ ہوگی۔

(۲۳) عورت کا اپنے خاوند کی نافرمانی کرنا

معاشرے کی بنیادی اکائی خاندان ہے' اگر خاندان مضبوط ہوگا تو معاشرہ بھی پختہ بنیادوں پر استوار ہوگا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خاندانی نظام کے بارے میں شریعت اسلامیہ میں تفصیلی احکامات جاری فرمائے ہیں۔ مرد کو خاندان کا حاکم یا منتظم بنایا گیا ہے اور عورت کو یہ حکم ہے کہ وہ ایک ساتھی کی حیثیت سے مرد کی اس ذمہ داری میں اس کے ساتھ ممکن حد تک تعاون کرے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

((أَيُّمَا امْرَأَةٍ مَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ دَخَلَتِ الْجَنَّةَ)) (٤)

''کوئی بھی عورت اگر اس حال میں مرگئی کہ اس کا شوہر اس سے خوش تھا تو وہ جنت میں داخل ہوگی''۔

جس طرح اللہ کے رسول ﷺ نے خاوند کی اطاعت پر جنت کی خوشخبری دی اسی طرح خاوند کی نافرمانی پر قرآن میں وعید بھی آئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ﴾ (النساء: ٣٤)

''اور جن عورتوں کے بارے میں تمہیں نافرمانی کا اندیشہ ہو تو (پہلے) انہیں نصیحت کرو' اور (اگر نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوتا تو) انہیں ان کے بستروں میں تنہا چھوڑ دو' اور (اگر اس سے بھی مسئلہ حل نہ ہو تو) انہیں مارو۔ پس اگر وہ تمہاری اطاعت کرنے

لگ جائیں تو اب ان پر زیادتی کی کوئی راہ تلاش نہ کرو۔''

قرآن مجید میں عورت کی نافرمانی کی صورت میں مرد کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ عورت کو پہلے وعظ و نصیحت سے سمجھائے' دوسرے مرحلے میں اپنا بستر اس سے الگ کرے' لیکن گھر چھوڑنے کو اللہ کے رسول ﷺ نے پسند نہیں فرمایا۔ اگر اس سے بھی عورت کے رویے پر کوئی مثبت اثر نہ پڑے تو اب اسے مارنے کی اجازت ہے۔ اس مارنے میں بھی دراصل عورت کی ہی بھلائی مطلوب ہے۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ مرد و عورت کے درمیان یہ رشتہ برقرار رہے چاہے اس کے لیے کسی حد تک سختی ہی کیوں نہ اختیار کرنی پڑے۔ مردوں کو بھی یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ اس آیۂ مبارکہ میں مارنے کا حکم وجوب کا نہیں ہے بلکہ جواز کا ہے' یعنی مارا جا سکتا ہے۔ خود آپ ﷺ کی سنت ہمارے سامنے ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی بھی اپنی زندگی میں کسی بیوی پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ علاوہ ازیں آج کل کے ہمارے معاشرے میں عورتوں پر جو وحشیانہ تشدد کیا جاتا ہے یا انہیں زدوکوب کیا جاتا ہے اس کی کسی درجے میں بھی اسلام میں اجازت نہیں ہے۔ عورت کو مارنے کے حوالے سے بھی اسلام نے حدود مقرر کی ہیں' مثلاً یہ مار سخت نہ ہو' چہرے پر نہ مارا جائے وغیرہ۔ جس طرح عورت کو یہ حکم ہے کہ وہ اپنے خاوند کی اطاعت کرے اسی طرح خاوند کو بھی اپنی بیوی کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِيْ))(۵)

''تم میں سے سب سے اچھے وہ ہیں جو اپنے گھر والوں کے حق میں اچھے ہیں اور میں تم میں سے اپنے گھر والوں کے حق میں سب سے اچھا ہوں۔''

اس لیے مردوں کو بھی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اگر انہیں گھر یا خاندان کا سربراہ بنایا ہے تو وہ اللہ کی طرف سے دی گئی اس ذمہ داری یا اختیار کو غلط استعمال نہ کریں' بلکہ ایسی جگہ اپنے اس اختیار کو استعمال کریں جہاں عورت کی طرف سے پیدا ہونے والے کسی شر یا فساد کی وجہ سے خاندان کا شیرازہ بکھرنے کا اندیشہ ہو۔

(۲۴) شوہر کی ناشکری کرنا

اکثر عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ بات بات پر خاوند کی ناشکری کرنے لگتی ہیں۔ اگر ان کی کوئی خواہش خاوند پوری نہ کر سکے تو اس کے ماضی کے سارے احسانات کا انکار کر دیتی

ہیں۔اللہ کے رسول ﷺ سے ایسی عورتوں کے بارے میں سخت وعید مروی ہے۔آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((اُرِیْتُ النَّارَ فَاِذَا اَکْثَرُ اَھْلِھَا النِّسَاءُ یَکْفُرْنَ)) قِیْلَ : اَیَکْفُرْنَ بِاللّٰہِ؟ قَالَ: ((یَکْفُرْنَ الْعَشِیْرَ وَیَکْفُرْنَ الْاِحْسَانَ لَوْ اَحْسَنْتَ اِلٰی اِحْدَاھُنَّ الدَّھْرَ ثُمَّ رَأَتْ مِنْکَ شَیْئًا قَالَتْ مَا رَأَیْتُ مِنْکَ خَیْرًا قَطُّ))[۶]

''مجھے جہنم کی آگ دکھائی گئی' میں نے دیکھا اس میں اکثر عورتیں تھیں' کیونکہ وہ ناشکری کرتی ہیں۔'' آپؐ سے کہا گیا: کیا اللہ کی ناشکری کرتی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ''خاوند کی ناشکری کرتی ہیں اور اس کے احسانات کا انکار کرتی ہیں۔اگر تو ان (عورتوں) میں سے کسی کے ساتھ زمانہ بھر احسان کرتا رہے' پھر اگر کبھی تیری طرف سے اسے کوئی ناگوار چیز پہنچے تو وہ یہ کہتی ہے کہ میں نے تمہاری طرف سے کبھی کوئی بھلائی دیکھی ہی نہیں۔''

عورتیں چونکہ جذباتی ہوتی ہیں' اس لیے جب ناشکری کرنے پر آتی ہیں تو ہر چیز کا انکار کر دیتی ہیں۔اس لیے عورتوں کو چاہیے کہ خاوند سے اختلاف کی صورت میں اپنی زبان کو محتاط انداز میں استعمال کریں۔

(۲۵) بے غیرت ہونا

اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے گھر کی خواتین کے حوالے سے بے غیرتی کو سخت ناپسند فرمایا ہے۔یعنی کوئی شخص اپنی بیوی' بیٹی یا بہن کو دیکھتا ہے کہ وہ کسی اجنبی مرد کے ساتھ بیٹھ کر گپ شپ لگاتی ہے' یا اپنے کسی دوست کے ساتھ سیر پر جانے میں عار محسوس نہیں کرتی' یا بغیر شرعی حجاب کے گھر سے باہر نکلتی ہے' یا شادی بیاہ کی مخلوط محفلوں میں شرکت کرتی ہے' اور یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی وہ مرد اپنی بیوی' بیٹی یا بہن کو ان معاملات سے نہیں روکتا تو یہ شخص دیوّث ہے جس کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

((ثَلَاثَۃٌ لَا یَنْظُرُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ اِلَیْھِمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ: اَلْعَاقُّ لِوَالِدَیْہِ وَالْمَرْأَۃُ الْمُتَرَجِّلَۃُ وَالدَّیُّوْثُ ، وَثَلَاثَۃٌ لَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ : اَلْعَاقُّ لِوَالِدَیْہِ وَالْمُدْمِنُ عَلَی الْخَمْرِ وَالْمَنَّانُ بِمَا أَعْطٰی))[۷]

''تین افراد ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُن کی طرف نظر کرم نہ فرمائے گا:

ایک والدین کی نافرمانی کرنے والا' دوسری وہ عورت جو کہ مردوں سے مشابہت اختیار کرتی ہے اور تیسرا ایسا مرد جو کہ بے غیرت ہے۔ اور تین افراد ایسے ہیں جو کہ جنت میں داخل نہ ہوں گے: ایک اپنے والدین کی نافرمانی کرنے والا' دوسرا عادی شرابی اور تیسرا کوئی چیز دے کر احسان جتلانے والا''۔

(۲۶) اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی اختیار کرنا

اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی اختیار کرنا زنا کے محرکات اور اسباب میں سے ایک بڑا سبب ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ اِلَّا كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ)) (۸)

''جب بھی کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی اختیار کرتا ہے تو ان کے ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے''۔

اسی طرح آپ ﷺ کی ایک اور حدیث بھی ہے:

((لَا يَدْخُلَنَّ رَجُلٌ بَعْدَ يَوْمِيْ هٰذَا عَلٰى مُغِيْبَةٍ اِلَّا وَمَعَهٗ رَجُلٌ اَوِ اثْنَانِ)) (۹)

''آج کے بعد کوئی آدمی کسی ایسی عورت کے پاس داخل نہ ہو جس کا شوہر موجود نہ ہو سوائے اس کے کہ اس کے ساتھ ایک یا دو مرد ہوں''۔

امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان ظاهر هذا الحديث جواز خلوة الرجلين او الثلاثة بالاجنبية ' والمشهور عند اصحابنا تحريمه فيتأول الحديث على الجماعة يبعد وقوع المواطأة منهم على الفاحشة لصلاحهم أو مروء تهم

''ظاہر حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو یا تین آدمیوں کا کسی اجنبی عورت کے ساتھ خلوت اختیار کرنا جائز ہے' لیکن ہمارے علماء اس کی حرمت کا فتویٰ دیتے ہیں۔ حدیث سے مراد ایسے لوگوں کی جماعت ہے کہ جن کی نیکی' بزرگی اور تقویٰ کی وجہ سے ان سے کسی قسم کی بے حیائی کا صدور ناممکن ہو۔''

(۲۷) اجنبی عورت سے مصافحہ کرنا

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ ہاتھ کے زنا میں شامل ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا

ارشاد ہے:

((وَالْيَدَانِ تَزْنِيَانِ فَزِنَاهُمَا الْبَطْشُ وَالرِّجْلَانِ تَزْنِيَانِ فَزِنَاهُمَا الْمَشْيُ وَالْفَمُ يَزْنِيْ فَزِنَاهُ الْقُبَلُ)) (۱۰)

''دونوں ہاتھ بھی زنا کرتے ہیں' پس ان کا زنا (اجنبی عورت کے کسی عضو کو) پکڑنا ہے اور دونوں پاؤں بھی زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا (اس مقصد کے لیے) چلنا ہے اور منہ بھی زنا کرتا ہے اور اس کا زنا بوسہ لینا ہے''۔

اللہ کے رسول ﷺ کے پاس عورتیں بیعت کرنے کے لیے آتی تھیں تو آپؐ ان سے بیعت کرتے وقت مصافحہ نہیں کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِنِّیْ لَا اُصَافِحُ النِّسَاءَ)) (۱۱)

''بے شک میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔''

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے بارے میں فرماتی ہیں:

وَاللّٰهِ مَا مَسَّتْ يَدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ غَيْرَ اَنَّهُ بَايَعَهُنَّ بِالْكَلَامِ (۱۲)

''اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ کسی عورت کے ہاتھ سے کبھی بھی مس نہیں ہوا' بلکہ آپؐ ان عورتوں سے زبانی بیعت لیتے تھے''۔

رسول اللہ ﷺ سے زیادہ متقی اور پرہیزگار کون ہو سکتا ہے؟ جب آپؐ ایک دینی معاملے (بیعت) میں اس درجے احتیاط کرتے تھے کہ کسی عورت کے ساتھ آپؐ کا ہاتھ نہ ٹکرائے تو ہمارے لیے کس طرح سے یہ رخصت نکل سکتی ہے! وہ خواتین جو کہ بازاروں میں جا کر شاپنگ کرتی ہیں' دکانداروں سے لین دین کرتے وقت انہیں اس معاملے میں سخت احتیاط کرنی چاہیے کہ ان کے ہاتھ وغیرہ اجنبی افراد کے ہاتھوں سے نہ ٹکرائیں۔ اسی طرح خالہ زاد' پھوپھی زاد اور چچا زاد کا آپس میں ہاتھ ملانا شرعاً حرام ہے۔

(۲۸) عورت کا خوشبو لگا کر گھر سے باہر نکلنا

یہ برائی ہمارے معاشرے میں بہت زیادہ پھیل چکی ہے۔ عورتیں جب گھروں سے نکلتی ہیں تو خوب تیار ہو کر اور خوشبو لگا کر نکلتی ہیں' ان کا یہ فعل مردوں کے ان کی طرف متوجہ ہونے اور فتنے پھیلنے کا باعث بنتا ہے۔ گھر میں رہتے ہوئے خاوند کے لیے زینت اختیار کرنا اور

خوشبو لگانا تو سمجھ میں آتا ہے' لیکن گھر سے باہر میک اپ کر کے اور خوشبو لگا کر نکلنے کا ایک عورت کے نزدیک سوائے اس کے اور کیا مقصد ہوسکتا ہے کہ مرد اس کی طرف متوجہ ہوں اور اس کی اہمیت بڑھے۔ رسول اللہ ﷺ نے عورت کے خوشبو لگا کر گھر سے باہر نکلنے کو زنا سے تشبیہ دی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((اَیُّمَا امْرَأَۃٍ اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ عَلَی قَوْمٍ لِیَجِدُوْا مِنْ رِیْحِھَا فَھِیَ زَانِیَۃٌ))(۱۳)

''جو بھی عورت خوشبو لگا کر کچھ مَردوں کے پاس سے اس لیے گزرے کہ وہ اس کی خوشبو کی طرف متوجہ ہوں تو یہ عورت زانیہ ہے''۔

عورت کا خوشبو لگا کر مسجد میں آنا بھی ممنوع ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَیُّمَا امْرَأَۃٍ تَطَیَّبَتْ ثُمَّ خَرَجَتْ اِلَی الْمَسْجِدِ لَمْ تُقْبَلْ لَھَا صَلَاۃٌ حَتّٰی تَغْتَسِلَ)) (۱۴)

''جو بھی عورت خوشبو لگا کر مسجد کے لیے نکلے تو اس کی نماز اُس وقت تک قبول نہیں ہو گی جب تک کہ وہ غسل نہ کرے''۔

ان احادیث میں ان عورتوں کے لیے لمحۂ فکریہ ہے جو کہ میک اپ کر کے اور خوشبو لگا کر مخلوط محفلوں میں شرکت کر کے مردوں کی توجہ کا مرکز بنتی ہیں۔

(۲۹) عورت کا بغیر محرم کے سفر کرنا

عام حالات میں عورت کے لیے بغیر محرم کے سفر کرنا جائز نہیں ہے' چاہے یہ سفر حج ہی کیوں نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَا تُسَافِرِ الْمَرْأَۃُ اِلَّا مَعَ ذِیْ مَحْرَمٍ وَلَا یَدْخُلُ عَلَیْھَا رَجُلٌ اِلَّا وَمَعَھَا مَحْرَمٌ)) فَقَالَ رَجُلٌ : یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ اُرِیْدُ اَنْ اَخْرُجَ فِیْ جَیْشِ کَذَا وَکَذَا وَامْرَأَتِیْ تُرِیْدُ الْحَجَّ فَقَالَ: ((اُخْرُجْ مَعَھَا))(۱۵)

''کوئی عورت کسی محرم کے بغیر سفر نہ کرے اور کوئی بھی مرد کسی عورت پر داخل نہ ہو مگر اس حال میں کہ اس (عورت) کے ساتھ کوئی محرم بھی ہو''۔ اس پر ایک آدمی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! میں فلاں فلاں لشکر کے ساتھ جانا چاہتا ہوں جبکہ میری بیوی حج کرنا چاہتی ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا: ''اپنی بیوی کے ساتھ حج کے لیے جاؤ''۔

بعض احادیث میں اگر چہ ایک دن‘ یا دودن یا تین دن کے سفر کا بھی ذکر ہے‘ لیکن حقیقت یہ ہے کہ سفر کو مقید کرنا صحیح نہیں ہے‘ بلکہ اللہ کے رسول ﷺ نے مختلف مواقع پر مختلف حالات کے تناظر میں ایک‘ دو یا تین دن کا تذکرہ بھی ساتھ فرما دیا‘ ورنہ سفر سے مراد مطلقاً سفر ہے۔ جس کو عرف اور رواج میں سفر سمجھا جاتا ہو حدیث میں وہی سفر مراد ہے۔ ابن حجر اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وقد عمل اکثر العلماء فی هذا الباب بالمطلق لاختلاف التقییدات وقال النووی لیس المراد من التحدید ظاهره بل کل ما یسمی سفر فالمرأة منهیة منه الا بالمحرم

’’اکثر علماء نے اس مسئلے میں مطلق حدیث کے مطابق فتویٰ دیا ہے‘ کیونکہ تقییدات میں اختلاف ہے۔ امام نووی نے کہا ہے کہ بعض احادیث میں جو تحدید آئی ہے اس سے مراد اس کا ظاہر نہیں ہے‘ بلکہ ہر وہ سفر جس کو سفر کہا جاتا ہے اس سے عورت کو منع کیا گیا الّا یہ کہ وہ کسی محرم کے ساتھ ہو‘‘۔

(۳۰) جان بوجھ کر اجنبی عورت کی طرف دیکھنا

جان بوجھ کر کسی اجنبی عورت کی طرف دیکھنا‘ چاہے یہ شہوت کے ساتھ ہو یا بغیر شہوت کے‘ حرام ہے۔ ہاں ایسی بوڑھی عورتیں جو کہ نکاح سے مایوس ہو چکی ہوں‘ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اسی طرح اگر کسی نوجوان عورت کی طرف کسی شرعی حاجت کے تحت دیکھا جائے تو یہ بھی جائز ہے۔ جیسا کہ طبیب کا کسی مریضہ کو دیکھنا یا نکاح کا پیغام بھیجنے والے کا اپنی منگیتر کو دیکھنا وغیرہ۔ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ نَظْرَةِ الْفُجَأَةِ فَقَالَ: ((اِصْرِفْ بَصَرَکَ))(۱۶)

’’میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے اچانک نظر پڑ جانے کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: ’’اپنی نظر پھیر لو‘‘۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((یَا عَلِیُّ لَا تُتْبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ فَاِنَّ لَکَ الْاُوْلٰی وَلَیْسَتْ لَکَ الْآخِرَةُ))(۱۷)

’’اے علیؓ! پہلی نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈالو‘ بے شک پہلی نظر تو تیرے لیے

(معاف) ہے لیکن دوسری تیرے لیے (معاف) نہیں ہے''۔

اسی طرح اگر کسی بے ریش نوجوان کی طرف شہوت کے ساتھ نظر ہو تو وہ بھی حرام ہے۔ مرد کا مرد کے ستر کی طرف دیکھنا اور عورت کا عورت کے ستر کو دیکھنا بھی حرام ہے۔ بعض لوگ فلم میں عورت کی تصویر دیکھنے کے قائل ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ یہ حقیقت نہیں ہے بلکہ ایک عکس ہے۔ ان کی یہ دلیل مقاصد شریعت کے خلاف ہے۔ مروّجہ فلمیں معاشرے میں سوائے جنس و ہوس پرستی میں اضافے کے کوئی اور کردار ادا نہیں کر رہیں۔ علاوہ ازیں فلموں اور ڈراموں میں صرف چہرہ ہی کھلا نہیں ہوتا بلکہ عورت کا آدھے سے زیادہ جسم ننگا ہوتا ہے۔ ایسی تصاویر نوجوان نسل میں فتنے کا باعث بنتی ہیں اور ان کے جذبات کو زنا کی طرف مائل کرتی ہیں۔

حواشی

١) صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکة۔
٢) سنن ابی داوٗد، کتاب النکاح، باب فی القسم بین النساء۔
٣) سنن الترمذی، کتاب الطلاق واللعان عن رسول اللهﷺ، باب ما جاء فی المختلعات۔
٤) سنن الترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء فی حق الزوج علی المرأة۔
٥) سنن الترمذی، کتاب المناقب عن رسول اللهﷺ، باب فضل ازواج النبیﷺ۔
٦) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب کفران العشیر و کفر دون کفر۔
٧) سنن النسائی، کتاب الزکاة، باب المنان بما اعطیٰ۔
٨) سنن الترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء فی کراهیة الدخول علی المغیبات۔
٩) صحیح مسلم، کتاب السلام، باب تحریم الخلوة بالأجنبیة والدخول علیها۔
١٠) سنن ابی داوٗد، کتاب النکاح، باب ما یؤمر به من غض البصر۔
١١) سنن النسائی، کتاب البیعة، باب بیعة النساء۔
١٢) صحیح البخاری، کتاب الطلاق، باب اذا اسلمت المشرکة او النصرانیة تحت الذمی......
١٣) سنن النسائی، کتاب الزینة، باب ما یکره للنساء من الطیب۔
١٤) سنن ابن ماجه، کتاب الفتن، باب فتنة النساء۔
١٥) صحیح البخاری، کتاب الحج، باب حج النساء۔
١٦) سنن ابی داوٗد، کتاب النکاح، باب ما یؤمر به من غض البصر۔
١٧) سنن الترمذی، کتاب الأدب عن رسول اللهﷺ، باب ما جاء فی نظرة المفاجأة۔

افکار و آراء

''تہذیبوں کا تصادم''
اور
اُمتِ مسلمہ کا لائحہ عمل

پروفیسر ڈاکٹر سرفراز اعوان

''تہذیبی تصادم'' کا نظریہ آج کی عالمی سیاست کا ایک اہم موضوع ہے۔ گزشتہ پچیس سال سے یہ نظریہ الفاظ کا سفر کرتا ہوا اب حقیقت کے روپ میں دنیا میں نظر آ رہا ہے۔ اس تصادم کا تعلق تہذیبوں کی اجتماعی زندگی سے ہے۔ دنیا میں ہمیشہ سے مختلف تہذیبیں موجود رہی ہیں جن میں شرک پر مبنی تہذیبیں بھی تھیں اور توحید پر مبنی بھی' یا دوسرے الفاظ میں انسانوں کے تراشیدہ فلسفوں کی حامل تہذیبیں اور وحی الٰہی سے تشکیل پانے والی تہذیبیں تھیں۔ انسانی تاریخ کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ دنیا میں مختلف ادوار میں چوبیس یا تیس کے قریب تہذیبیں موجود رہی ہیں۔ آج ہم دنیا پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالتے ہیں تو چند تہذیبیں نمایاں نظر آتی ہیں جن میں مغربی تہذیب' چینی تہذیب' ہندو تہذیب اور اسلامی تہذیب نمایاں ہیں۔ ان تہذیبوں میں فکری محاذوں پر اختلافات ہمیشہ موجود رہے ہیں۔ تاہم اس وقت دو بڑی تہذیبیں ہیں جن میں اسلامی تہذیب وحی الٰہی کے علم پر مبنی ہے جبکہ باقی تہذیبوں کا معاملہ یہ ہے وہ کسی آسمانی علم کو تسلیم نہیں کرتیں۔ گویا کہ صرف دو تہذیبیں ہی دنیا میں موجود ہیں' جن میں ایک انکارِ وحی اور دوسری وحی الٰہی پر مشتمل ہے۔ یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ اسلامی تہذیب باقی تمام تہذیبوں سے فکری محاذ پر انتہائی طاقتور اور اثر انگیز حیثیت کی حامل ہے۔ اس تہذیب کا امتیاز توحید باری تعالیٰ ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ''تہذیبوں کے تصادم'' سے کیا مراد ہے؟ آیئے ذرا اس کے تاریخی پس منظر پر نظر ڈالتے ہیں۔ ۱۹۸۰ء میں لندن یونیورسٹی کا ایک یہودی پروفیسر برنارڈ

لیوس برطانیہ سے امریکہ منتقل ہوا۔ امریکہ کے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ میں مشیر کی حیثیت سے اس نے کام شروع کیا۔ ستمبر ۱۹۹۰ء میں اس نے ایک مضمون ''اٹلانٹک'' میں' جو ایک ماہانہ میگزین ہے' The Rage of Islam کے عنوان سے لکھا' جس میں پہلی بار Clash of Civilizations کا لفظ استعمال کیا گیا۔ بعد میں یہ مضمون کتابی شکل میں بھی سامنے آ گیا۔ اس میں برنارڈ لیوس نے صاف الفاظ میں کہا ہے کہ اسپین میں مسلمانوں کی پہلی آمد سے لے کر ویانا میں دوسرے ترک محاصرے تک ایک ہزار سال کے دوران یورپ مسلسل اسلام کے خطرے کی زد میں رہا ہے۔ یہ تھا وہ پہلا پتھر جو پھینکا گیا۔ بعد میں ہاورڈ یونیورسٹی کے ایک اور پروفیسر سیموئیل ہن ٹنگٹن نے اسے آگے بڑھایا۔ اس نے ۱۹۹۳ء میں معروف میگزین ''فارن افیئرز'' میں ایک مضمون لکھا The Clash of Civilizations۔ پھر اس مضمون پر تبصروں اور مباحث کا آغاز ہو گیا۔ اُس نے ۱۹۹۶ء میں اس فکر کو اپنی کتاب Clash of Civlizations and Remaking of New World Order میں کامل شکل میں پیش کیا۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ اس نظریے میں جس ''مسلم اُمہ'' کو ہدف بنایا گیا ہے اور جس کے خلاف پورے زور وشور سے تیاریاں جاری ہیں' اس کا کہیں وجود نہیں ہے۔ سیاسی' فکری اور معاشی ابتری کا شکار یہ امت نہ صرف اتحاد کی نعمت سے محروم ہے بلکہ عسکری لحاظ سے بھی انتہائی کمزور ہے۔ مقابلہ تو کجا دشمن کو پہچاننے سے بھی محروم ہے۔ اس کے برعکس معاملہ ہے اسلام کا کہ نظریاتی طور پر وہ ایک انتہائی طاقتور تہذیبی نظریہ کی صورت میں سامنے آ رہا ہے' جس کی انتہائی تیز رفتار فکری وسعت دنیا میں موجود تہذیبوں کے لیے ایک خطرہ بن چکی ہے۔ تمام تہذیبی مراکز اسلام کی اس نظریاتی یلغار کو روکنے میں ناکام نظر آتے ہیں۔ اسی نظریاتی یلغار کو روکنا اس نظریے کا اصل ہدف ہے۔ ''تہذیبوں کا تصادم'' (Clash of Civilizations) کا نعرہ مسلمانوں کا نہیں ہے اور نہ مسلمانوں نے کبھی اس جانب لوگوں کو متوجہ کیا ہے۔ سیموئل پی ہن ٹنگٹن نے جو نعرہ دیا ہے وہ عیسائی ممالک ہی کی طرف سے آیا ہے۔

یورپ میں پچھلے تین سو سال سے جو تحریک جدیدیت شروع ہوئی ہے اس کے بعد تہذیبوں کے تصادم کا منظر نکھر کر سامنے آیا ہے۔ اس لحاظ سے نسل انسانی اس وقت دو تہذیبوں پر مشتمل ہے۔ اس سے پہلے تہذیبوں کا اختلاف اور نوعیت کا تھا' جبکہ یہ تصادم

دوسری نوعیت کا ہے۔

انکارِ وحی پر مبنی تہذیب کا فلسفہ یہ ہے کہ انسان اب فکری لحاظ سے بالغ ہو چکا ہے' اسے کسی خارجی رہنمائی کی ضرورت اُس وقت تھی جب وہ فکری اعتبار سے بلوغت کی عمر تک نہیں پہنچا تھا۔ اُس وقت تک وہ حق کو نہیں پہچانتا تھا لہٰذا اسے ضرورت تھی کہ انبیاء آئیں اور حق کی طرف اس کی راہنمائی کریں' اُسے زندگی گزارنے کے صحیح طریقے بتلائیں۔ چونکہ اب انسان فکری لحاظ سے بالغ ہو چکا ہے لہٰذا آج وحی ایک قصۂ پارینہ ہے' انسان کو اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔ دوسری طرف انبیاء اور خصوصاً جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات وحی کی بنیاد پر ہیں۔ یہ علم سب سے زیادہ قابل اعتماد ہے۔ قرآن نے ان دونوں قسم کی تہذیبوں کے فرق کو واضح کیا ہے۔ ایک کو الٰہی تہذیب کا نام دیا ہے اور اس کے ماننے والوں کو ''حزب اللہ'' قرار دیا ہے' جبکہ دوسری کو شیطانی تہذیب کہا ہے اور اس کے پیروکاروں کو ''حزب الشیطان'' سے تعبیر کیا ہے۔ دونوں تہذیبوں کو ''مؤمن'' اور ''کافر'' کے الفاظ کے ذریعے الگ الگ کر دیا گیا ہے۔

چار قدریں ایسی ہیں جو ہمیشہ سے ہر اعلیٰ تہذیب وتمدن اور معاشرت وثقافت میں کافی حد تک مشترک رہی ہیں۔ یہ بات سمجھ لیجیے کہ انبیاء صرف عبادات کا نظام ہی لے کر نہیں آتے بلکہ وہ دنیا کے سامنے باقاعدہ ایک کامل تہذیب بھی پیش کرتے ہیں۔ اسلام بھی محض عبادات کا نظام نہیں ہے بلکہ یہ بنیادی طور پر چھ چیزوں کے مجموعے کا نام ہے' جن میں عقائد' عبادات' معاملات' معاشرت' اخلاقیات اور سیاسیات شامل ہیں۔ یہ چھ چیزیں اس تہذیب کی بنیاد ہیں جو نبی اکرم ﷺ نے نسل انسانی کو دی ہے۔ ان میں چار قدریں ایسی ہیں جو آج بھی زندہ ہو جائیں تو مسلمان یقیناً غالب ہوں۔ جس معاشرے میں بھی یہ چار قدریں موجود ہوتی ہیں وہ انسانی فلاح کے حوالے سے کامیاب ترین معاشرہ ہوتا ہے' اس لیے کہ ان چار قدروں کو تصدیق نبویؐ حاصل ہے۔ یہ حقیقت میں تہذیب نبوی کی قدریں ہیں' تہذیب اسلامی کی قدریں ہیں' قرآن وسنت پر مبنی طرزِ زندگی کی قدریں ہیں' قرآن وسنت کی معین کی ہوئی قدریں ہیں۔ دین درحقیقت نظامِ حیات اور طرزِ زندگی کا نام ہے۔ یہ چار قدریں معاشرے کو زندہ کرتی ہیں' اس کو بقا اور استحکام بخشتی ہیں۔

اسلام نے علم و دانائی اور حکمت وفراست کو سب سے پہلی قدر قرار دیا ہے۔ نماز' زکوٰۃ' روزہ' حج جیسی عبادات کے حکم سالوں بعد آئے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کے فرائض منصبی

میں سے پہلا منصب تلاوتِ آیات بیان ہوا۔ مسلمانوں کو پہلا حکم یہ دیا گیا کہ وہ علم حاصل کریں، شعور اور دانائی کی زندگی گزاریں۔ اللہ کے ہاں وہ انسان بدترین چوپائے ہیں جو عقل وشعور سے کام نہیں لیتے۔ قرآن نے ذکر کے ساتھ ساتھ تفکر کرنے والوں کو عقلمند قرار دیا ہے۔ قرآن کی ۷۵۶ آیات شعور کی بیداری پر مبنی ہیں جبکہ صرف ۱۵۰ آیات احکام کی ہیں۔ جو ذکر فکر کے بغیر ہوتا ہے وہ انسان کو محض کولہو کا بیل بنا دیتا ہے جبکہ جو فکر ذکر کے بغیر ہوتا ہے وہ انسان کو محض فلسفی بنا کر رکھ دیتا ہے۔ ذکر اور فکر کا توازن ضروری ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: مؤمن کی فراست سے خود کو بچا کر رکھو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے سے دیکھتا ہے، اور یہ نور تب ہی آتا ہے جب فکر بھی ہو اور ذکر بھی، اور ان دونوں کا تعلق قرآن سے جڑا ہوا ہو جو نبویؐ تہذیب کا منبع وسرچشمہ ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا مزاج سیکھنے کا تھا اور جہاں سیکھنا ہو وہاں خاموش رہنا پڑتا ہے۔ چپ رہنا بولنے سے مشکل بھی ہے اور افضل بھی۔ جس کو اللہ نے چپ رہنے کی توفیق دی، اس کے لیے اللہ نے سمجھ کا دروازہ کھول دیا۔ جس کے اندر جتنا ٹھہراؤ ہوگا اس کے اندر اتنا ہی گہراؤ بھی ہوگا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ علم حاصل کرنے والوں کو تم پر ایسی ہی فضیلت حاصل ہے جیسے میری فضیلت ادنیٰ صحابی پر ہو۔ حضور ﷺ نے جو انقلاب برپا کیا، وہ علمی انقلاب ہے۔ حضور ﷺ نے علم پھیلانے کا نظام دیا۔ علامہ بلاذری لکھتے ہیں کہ جب حضور ﷺ نے دعوت شروع کی تو مکہ میں صرف سترہ افراد پڑھے لکھے تھے جبکہ حضور ﷺ کی رحلت کے وقت عرب میں شرح خواندگی ۸۷ فیصد تھی۔ اگرچہ مسلم معاشرے کی پہلی قدر علم ہے، لیکن حضور ﷺ نے علم کو وحی کے تابع کیا۔ پانچ چیزیں علم سے متعلق ہیں: معلم، متعلّم، قراءت، کتابت اور نصاب۔ یہ پانچ چیزیں اللہ نے پہلی وحی میں ہی نازل فرمائیں۔ جو قوم بے حس، بے شعور، بے علم ہے، اور دانائی اور شعور کی طرف نہیں بڑھتی وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں جانوروں سے بھی بدتر ہے۔ حضور ﷺ نے جو تہذیب متعارف کرائی وہ وحی پر مبنی ہے، جس کی پہلی قدر علم ہے۔

دوسری قدر شجاعت ہے۔ مؤمن کبھی بزدل نہیں ہوسکتا۔ حضور ﷺ نے بزدلی سے پناہ مانگی ہے۔ مؤمن بہادر، جرأت مند، شجاع اور حوصلہ مند ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے اسی کی تعلیم دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کم تعداد میں ہونے کے باوجود ہمیشہ اپنے دشمنوں پر حاوی رہے۔ یہ مسلم معاشرے کی بنیادی قدر ہے۔ بزدلی مؤمن کا شیوہ نہیں ہے۔ بزدلی

منافقین اور کفار کی ادا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ اگر تم میں سے بیس ثابت قدم افراد ہوں تو وہ دو سو پر بھاری ہوں گے!

تیسری قدر عدل ہے' جو کسی بھی نبوی تہذیب کی ایک امتیازی قدر ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کا مقصد بعثت ہی عدل قائم کرنا تھا۔ مسلمانوں کے نظامِ جہاد و قتال کا بنیادی مقصد زمین پر عدل کا قیام ہے۔ بظاہر آج جو لوگ دنیا میں عدل کے قیام کی بات کر رہے ہیں' حقیقت میں وہ روزِ اوّل سے اس کرۂ ارض کو ظلم سے بھر دینے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ انہوں نے فلسطین' کشمیر' عراق' افغانستان' بوسنیا اور چیچنیا کو ظلم سے بھر دیا ہے۔ ظلم پر مبنی نظامِ سرمایہ داری نے پوری انسانیت پر ظلم و جبر مسلط کر دیا ہے' جبکہ انبیاء کی لائی ہوئی تہذیب انسانیت کو عدل اور اعتدال کا درس دیتی ہے۔ جو جس کا حق ہے' اس کے مطالبے کے بغیر اسے اس کے سپرد کر دینا عدل ہے جبکہ جتنا اُس کا حق ہے اس سے اس کو بڑھ کر دینا احسان ہے۔

چوتھی چیز جو کسی تہذیب کو ہمیشہ اعلیٰ اور بلند مقام پر رکھتی ہے وہ ہے عفت و حیا' پاک دامنی اور لوگوں کے کردار کا پاکیزہ ہونا۔ فرمان نبویؐ ہے کہ اگر تیرے اندر سے حیا نکل گئی ہے تو تو جو چاہے کر۔ اگر کسی مسلم معاشرے سے عفت و حیا کا خاتمہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ایسی کوشش کرنے والوں کو دنیا میں نقد سزا دیتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: ''جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ اہل ایمان میں بے حیائی پھیلے ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے''۔ جس قوم میں بدکاری عام ہوتی ہے وہاں قتل کی کثرت ہو جاتی ہے۔ جس معاشرے میں عفت و عصمت ہوگی وہ نبوی معاشرہ ہے۔ وہ تہذیب نبوی کی روشنی میں زندگی گزارنے والا پُرامن معاشرہ ہے۔

یہ چار قدریں ہمیں اپنے معاشرے میں زندہ کرنا ہوں گی۔ اپنے سماج سے غلط چیزوں کو نکالنا ہوگا اور پاکیزہ چیزوں کی حوصلہ افزائی کرنا ہوگی۔ اگر آج یہ اقدار ہمارے معاشرے میں آ جائیں تو ہم غالب ہو جائیں گے۔ مسلمانوں کے پاس پانچ سو سال علم کی دولت رہی' وہ دنیا پر غالب رہے۔ آج مسلمانوں کے اندر سے حیا نکالی جا رہی ہے اور شجاعت و بہادری ختم ہو رہی ہے۔ ان چار چیزوں کو زندہ رکھنا ہوگا۔ صرف اسی صورت میں ہم عشق رسول ﷺ کا حق ادا کر سکتے ہیں' ورنہ تو محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔

(اخذ و ترتیب: حافظ محبوب احمد خان)

اہانت رسول ﷺ کے مجرموں کی تلاش

شہباز ہندی، ممبئی (انڈیا)

مغربی میڈیا کے ذریعے خاتم النبین حضرت محمد ﷺ کے توہین آمیز خاکوں کی اشاعت پر عالم اسلام کا شدید ردّعمل توقع کے عین مطابق تھا۔ دنیا پر یہ بات اوّل روز سے ہی واضح ہے کہ نبی ﷺ کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھنے والی اُمت جہاں آپ ﷺ کا پسینہ گرے وہاں اپنا خون گرانے کے لیے تیار رہتی ہے۔ امام المجاہدین' نبی الملاحم (جنگوں والے نبی) اور وراثت میں تلوار اور نیزے چھوڑ کر جانے والے اللہ کے حبیب کی شان میں گستاخی آخر ان کی جانشین اُمت کیسے گوارا کرسکتی ہے! پھر آخر کار کیا مغرب کو اس بات کا اندازہ نہیں تھا اور خاکوں کی اشاعت محض ایک اتفاقی معاملہ تھا؟ اس کی نفی کرتے ہوئے امریکی فری پریس کا نامہ نگار کرنسٹوفر بولین لکھتا ہے:

''اسلام مخالف خاکوں کی اشاعت ایک 'سوچا سمجھا' عمل تھا جس کا مقصد تشدد کو بڑھاوا دینا اور تہذیبوں کے تصادم (Clash of Civilizations) کے خیالی مفروضے کو حقیقی زمین فراہم کرنا تھا۔''

میامی ہیرالڈ (۷ فروری) تو کھل کر لکھتا ہے:

''اس معاملے میں جو لوگ بھی ملوث تھے وہ بخوبی جانتے تھے کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ یقیناً وہ لوگ ان لوگوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے تھے جو مغرب اور عالم اسلام کے بیچ تناؤ کو بڑھاوا دینا چاہتے ہیں۔''

اس لیے بنیادی طور پر یہ جاننا بے حد ضروری ہے کہ اس تنازعے کو اُبھارنے کے پیچھے کون لوگ تھے؟ ان کے بارے میں کوپن ہیگن یونیورسٹی کے پروفیسر مائیکل روتھیسٹن کا یہ تبصرہ بڑا ہی اہم ہے:

''عالم اسلام کی تذلیل کر کے مسلمانوں کے جذبات کو بھڑکانے والے لوگوں کے اپنے خاص مقاصد ہیں۔''

خاکوں کی اشاعت کے اصل مجرم

۳۰ستمبر کو ڈنمارک کے کثیر الاشاعت اخبار جیلنڈز پوسٹن (Jyllands Posten) میں پہلی بار ان بے ہودہ خاکوں کی اشاعت عمل میں آئی۔اس کے لیے پورے طور سے اخبار کا ثقافتی مدیر فلیمنگ روز ذمے دار تھا۔روز کے بارے میں جو تازہ معلومات فراہم ہوئی ہیں وہ کافی سنسنی خیز ہیں۔صحافی جیمس پیٹراس اور رابن ایسٹمین ابایا نے دعویٰ کیا ہے کہ روز یوکرین نژاد (Ukranian Born) یہودی ہے جو لمبے عرصے سے اسرائیلی خفیہ ایجنسی موساد سے وابستہ ہے۔کرسٹوفر بولین کہتا ہے کہ اس میں کوئی حیرانی کی بات نہیں ہے' کیونکہ یہ بات تو سبھی کو معلوم ہے کہ موساد کا ڈنمارک کی خفیہ ایجنسی سے کافی پرانا رشتہ ہے۔میڈیا میں ان کے لوگوں کی موجودگی عین ممکن ہے۔کرسٹوفر کے مطابق جب اس نے روز سے رابطہ کر کے اس کے مذہب کے بارے میں جاننا چاہا تو اس نے ڈھٹائی کے ساتھ جواب دیا کہ وہ یہودی نہیں ہے' حالانکہ جب اسے ''ہولوکوسٹ'' کے بارے میں اظہار رائے کے لیے کہا گیا تو اس نے چپ سادھ لی۔اسلام اور مغرب کی جنگ میں ڈنمارک کو صف اوّل میں دھکیل دینے والے فلیمنگ روز کے بارے میں کرسٹوفر بولین نے جیلنڈز پوسٹن کے مدیر کو ایک سخت احتجاجی خط لکھا:

''فلیمنگ روز کی آن لائن تصویر دیکھ کر ہی مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ ڈینش نہیں بلکہ روسی نژاد اشقِ نازی یہودی ہے۔''

فلیمنگ روز کی صیہونیت نوازی پر انٹرنیشنل ہیرالڈ ٹربیون (یکم جنوری) کا تبصرہ بہت معقول ہے:

''فلیمنگ روز کی بے قید اظہار رائے کی آزادی وہاں آ کر ختم ہو جاتی ہے جب بات صیہونی رہنماؤں کے جرم کو اجاگر کرنے یا ان کی مذمت کی ہوتی ہے۔''

دراصل فلیمنگ روز اسلام کے خلاف ازل سے جنگ چھیڑے ہوئے یہودیوں کے موجودہ دستے کا ہی کارکن ہے۔صیہونیت سے اپنے قریبی رشتے کو اس نے کبھی بھی چھپانے کی کوشش نہیں کی' بلکہ نیویارک ٹائمز سے بات چیت کے دوران اس نے کہا: ''میں اسرائیلی وزیر اعظم ایریل شیرون کے اس کارٹون کو کبھی نہیں چھاپوں گا جس میں اسے ایک فلسطینی بچے کا گلا گھونٹتے دکھایا گیا ہے' کیونکہ اس سے ان کی شبیہہ ایک 'نسل پرست' کے طور پر اُبھرتی ہے۔'' لیکن ایک ارب ساٹھ کروڑ مسلمانوں کے دلوں پر حکمرانی کرنے والے محمد عربی ﷺ

کے بے ہودہ خاکوں کی اشاعت سے متعلق جب اس سے سوال کیا جاتا ہے تو اس کا جواب انتہائی گھناؤنا ہوتا ہے: ''اگر ہماری اظہارِ رائے کی آزادی سے کسی کی دل آزاری بھی ہوتی ہے تو بھی یہ ہمارے قانون میں کوئی جرم نہیں ہے۔'' شاید اس لیے کہ انبیاء کی تذلیل' ان کے تعلق سے بے ہودہ افسانہ نگاری' کردار کشی اور قتل یہودی روایات کا حصہ رہی ہیں۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ کیا اسے اندازہ نہیں تھا کہ ان خاکوں کی اشاعت سے عالم اسلام میں بھیانک ردّعمل ہوگا اور کیا اب اسے اپنے کیے پر کوئی پچھتاوا نہیں ہے' تو روز نے بے حد بے شرمی سے جواب دیا ''میں ان خاکوں کی اشاعت کے لیے کیوں معافی مانگوں؟ مجھ سے معافی مانگنے کے لیے کہنا تو ایسا ہی ہے جیسے زنا کی شکار خاتون سے کہا جائے کہ وہ ڈسکو تھیک پر شارٹ اسکرٹ پہن کر آنے کے لیے معافی مانگے۔'' روز کے اس طنزیہ جملے میں جو باتیں پوشیدہ ہیں وہ دراصل اس پورے تنازعے کی اصل گتھیوں کو سلجھانے میں مددگار ثابت ہوسکتی ہیں۔

مغرب کا اندرونی تضاد

اہل نظر سے یہ پوشیدہ نہیں ہے کہ ۱۵۔۱۶ویں صدی میں یورپ میں پروان چڑھنے والی نشأۃ ثانیہ کی تحریک (Renaissance) خالصتاً ایک صیہونی سازش تھی' جس کا مقصد اللہ' رسول اور آخرت کے تصور (جیسا کچھ بھی وہاں پایا جاتا تھا) کو پاش پاش کرکے معاشرے میں فحاشی' عریانیت' انارکی' اباحیت اور بے قید آزادی کو پروان چڑھانا تھا۔ اس تحریک کے روح رواں ہیومنسٹوں (Humanists) نے اظہار رائے کی آزادی کے نام پر مذہب' مذہبی قدروں' علامتوں اور شخصیات کو جم کر اپنی تنقید کا نشانہ بنایا۔ مشہور ہیومنسٹ پینٹر میکاسیوں نے آدم وحوا (علیہما السلام) کے جنت سے نکالے جانے کی منظر کشی کرتے ہوئے ایک پینٹنگ Expulsion from Paradise بنائی جس میں ان عظیم ہستیوں کو بالکل برہنہ دکھایا گیا ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ اور مریم (علیہما السلام) کی بے شمار فحش تصویریں اور پینٹنگز بنائی گئیں۔ قدامت کی طرف واپسی (Return towards entiquity) کا نعرہ دینے والے ان یہودیوں اور ان کے آلہ کار ہیومنسٹوں کا مقصد یورپ سے عیسائیت کا خاتمہ کرکے قدیم شرکیہ یونانی تہذیب کا احیاء (Renaissance) تھا۔ ستم بالائے ستم یہ کہ جس نئے دین کی پوجا مغرب میں شروع کی گئی اس دین اور اس کی قدریں (جس میں اظہار رائے کی آزادی بھی شامل ہے) کی حفاظت کو اہل مغرب اپنی ترقی اور نجات کے لیے ضروری سمجھنے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی حضرت مریم علیہا السلام کی پاکدامنی کا گن گانے والے

مغرب میں آج اپنے عریاں لباس کے ذریعے لوگوں کو زنا کے لیے اُبھارنے والی خاتون مغربی تہذیب کی اعلیٰ قدروں کی علامت بن چکی ہے۔فلیمنگ روز کے طنزیہ جملے سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ع ''غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر''۔ ورنہ رسول اکرم ﷺ کے توہین آمیز خاکوں کی اشاعت نے تو خود مغرب کو یہ دیرینہ موقع فراہم کیا تھا کہ وہ اپنے اوپر مسلط بیرونی قدروں (جن کا ان کے مذہب سے بھی کوئی سروکار نہیں) اور صیہونی غلامی کے طوق کو اتار پھینکے۔لیکن ایسا لگتا ہے کہ یہودی اور ان کے آلۂ کار پروٹسٹنٹ عیسائی طبقے انہیں ایسا کرنے نہیں دیں گے۔

توہین آمیز خاکوں کی اشاعت کی منصوبہ بندی کب ہوئی؟

یہ خاکے باقاعدہ ایک طے شدہ پروگرام کے تحت چھاپے گئے۔اس پر ہونے والے ردّعمل کا ان لوگوں کو بخوبی اندازہ تھا جو یہ سب کچھ کروا رہے تھے۔ان کی اشاعت کی بابت ۲۰۰۴ء میں ہی فیصلہ ہوگیا تھا جب فلیمنگ روز نے ڈینیل پائپس سے امریکہ میں ملاقات کی تھی۔اپنی اسلام دشمنی کے لیے مشہور اس صیہونی رہنما کو امریکی صدر نے عالمی تنازعات کے حل کے لیے قائم ہونے والے ادارے ''انسٹیٹیوٹ آف پیس'' کا سربراہ نامزد کیا ہے۔اسلام کو کمیونزم اور فاشزم کی طرح خطرہ بتانے والا پائپس مشرقِ وسطیٰ میں اسرائیل کے مکمل قبضے اور فلسطینیوں کے قتل عام کا حامی ہے۔اسی پائپس کو اپنا نظریاتی رہنما بتانے والے فلیمنگ روز نے ۲۹/اکتوبر ۲۰۰۴ء کو جیلنڈز پوسٹن میں ہی ایک مضمون The threat from Islamism (اسلامیت سے خطرہ) لکھا تھا۔اسلام کے مکمل نظام حیات ہونے کے تصور کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے روز لکھتا ہے:

> ''جنگجو اسلام کے نظریے کا نعرہ یہ ہے ''الاسلام الحل'' اسلام ہی حل ہے۔یہاں تک کہ تعلیم، معاشیات، وراثت، معاشرت سب کچھ کے بارے میں اسلام کے پاس حل موجود ہے۔یہ کلیت پسندی (Totalisation) کی سوچ بے حد خطرناک ہے۔ اسلام کا یہ سیاسی نظریہ جو پوری دنیا میں شریعت کا نفاذ چاہتا ہے، دنیا کے امن کے لیے ایک مستقل خطرہ ہے''۔

ڈینیل پائپس کے نظریات کا حوالہ دیتے ہوئے وہ آگے لکھتا ہے:

> ''ہم نے فاشزم کو بہت تھوڑے ہی عرصے میں شکست دے دی اور کمیونزم سے ہماری سرد جنگ پچھلی دہائی میں ہی ختم ہوئی ہے۔تیسرا خطرہ جنگجو اسلام (Militant

(Islam ابھی بھی باقی ہے۔اس لیے ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اس اسلامی نظریے کو اکثریت کے سامنے قابل نفرت بنا دیں۔''

دراصل محمد ﷺ کو دہشت گردوں کا سرغنہ (نعوذ باللہ) قرار دینے کے پیچھے یہی ابلیسی سوچ کارفرما تھی۔اس لیے فلیمنگ روز اور یورپی میڈیا میں موجود اس کے ساتھی کنزرویٹو ''یہودی عیسائی'' یا ''عیسائی یہودی'' ایڈیٹروں نے فرانس' جرمنی' اٹلی' نیدرلینڈ' اسپین اور سوئٹزرلینڈ کے اپنے اپنے اخباروں میں ان بے ہودہ خاکوں کو ایک ہی دن نمایاں طور پر شائع کیا۔پیرس کے نامہ نگاروں کی انجمن میڈیا مانیٹر کے سیکریٹری روبرٹ میکنائی کے بیان کے بعد تو پورا معاملہ بالکل آئینے کی طرح صاف ہو جاتا ہے۔اس نے نیویارک ٹائمز سے کہا:

''میں جانتا ہوں کہ اس سے مسلمانوں کو کافی صدمہ پہنچا ہے' لیکن یہ صدمہ پہنچانا تو لوگوں کو معلومات فراہم کرنے کی قیمت بھر ہے۔''

یعنی صیہونیت زدہ صحافیوں کے نزدیک محمد ﷺ ایک دہشت گرد (نعوذ باللہ) ہیں اور عیسائیوں کو یہ قیمتی معلومات فراہم کرنے میں انہیں مسلمانوں کے جذبات کی قطعی پرواہ نہیں۔

یورپی ممالک اور اظہار رائے کی آزادی

اس پورے تنازعے میں یورپی ممالک کے سربراہوں کا رویہ عالم اسلام کی امیدوں کے برخلاف رہا۔تنازعہ اٹھنے کے فوراً بعد یورپی یونین نے سوجھ بوجھ کا مظاہرہ کرنے کے بجائے محاربانہ رویہ اپنایا۔مسلمانوں کے ردعمل کے پُرتشدد ہونے کے پیچھے یہ ایک اہم وجہ رہی۔یورپی یونین کے صدر جوس منیوئل نے مسلمانوں کے جذبات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وہی پرانا راگ الاپا: ''اظہارِ رائے کی آزادی یورپ کی بنیادی قدروں میں سے ایک ہے''۔موجودہ تنازعے کو یہی رخ دینے کی کوشش کرتے ہوئے مشہور یہودی مصنف کرین آرمسٹرانگ نے گارجین (۱۴ مارچ) میں لکھا: ''مسلم مظاہرین کے لیے محمد ﷺ کی ذات مقدس ہے' وہیں خاکوں کی اشاعت کے حمایتوں کے لیے اظہارِ رائے کی آزادی ایک مقدس قدر ہے۔'' یہی نہیں بلکہ یورپی حکومتوں کی غیر ذمہ دارانہ روش سے دل برداشتہ ہو کر جب ایران نے احتجاجاً ڈنمارک کی اشیاء کے بائیکاٹ کا اعلان کیا تو معمول کی سنگینی کا اندازہ کرنے کے بجائے یورپی یونین کے تجارتی امور کے ذمہ دار پیٹر مینڈلسن نے اُلٹے ایران کو ہی دھمکی دے ڈالی: ''ڈنمارک کا بائیکاٹ پورے یورپی یونین کا بائیکاٹ سمجھا جائے گا۔''

دراصل صیہونیت نواز حلقہ یورپ کو یہ باور کرانے کی کوشش کر رہا ہے کہ اگر اس نے

جدید سیکولرزم سے رتی برابر بھی انحراف کیا تو یورپی اقدار کا جنازہ نکل جائے گا۔ خود ڈنمارک کے وزیراعظم ایڈریس فوگ ریسم یوسین کا یہ بیان کہ ''ہم میڈیا کے معاملے میں دخل انداز نہیں ہو سکتے'' کو بھی اسی طور پر دیکھا جانا چاہیے' حالانکہ ان کی یہ بات پوری طرح سے جھوٹ پر مبنی ہے۔ ڈینش پینل کوڈ کی دفعہ ۱۴۰ اور دفعہ ۲۲۶ (ب) کسی مقدس مذہبی شخصیت یا علامت کی توہین کرنے اور مذہب' رنگ' نسل' عقیدے کی بنیاد پر کسی کو دھمکانے' بدنام کرنے اور نیچا دکھانے پر چار ماہ سے دوسال کی سزا تجویز کرتی ہے۔ لیکن یہ عجیب تماشہ ہے کہ ڈنمارک کی حکومت نے اپنے ملک کے ۲۰ لاکھ مسلمانوں کے مجرموں کے خلاف کارروائی کے مطالبے کو بے دردی سے ٹھکرا دیا۔ یورپی ممالک میں ایسی سینکڑوں نظیریں ہیں جب توہین آمیز فلموں' ویڈیو' کتابوں اور مضامین کو نہ صرف قانونی طور پر ممنوع کیا گیا ہے' بلکہ مجرموں کو سزا بھی دی گئی ہے۔ ۱۹۹۶ء میں برٹش حکام نے اس ویڈیو کو سرٹیفکیٹ دینے سے منع کر دیا تھا جس میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی جنسی زندگی پر تبصرہ کیا گیا تھا۔ جرمنی پارلیمنٹ کے رکن اور وکیل کرسٹچن اسٹرو بیلے نے ان کا میڈینوں کا کیس کئی سال تک لڑا جنہوں نے حضرت مریم علیہا السلام کی پاکدامنی کو اپنے ایک اسٹیج شو میں موضوع بحث بنایا تھا۔ اس لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے توہین آمیز خاکوں پر مغرب کی طرف سے جس اظہار رائے کی آزادی کی دہائی دی جا رہی ہے وہ نہ صرف یہ کہ درست نہیں ہے بلکہ گمراہ کن بھی ہے۔ اگر مغرب میں اظہار رائے کی اتنی ہی بے قید آزادی ہے تو آخر جرمنی اور آسٹریا کے ان چار نامور تاریخ نگاروں کو اب تک جیلوں میں کیوں بند رکھا گیا ہے جن کا جرم صرف اتنا ہے کہ انہوں نے ''ہولوکاسٹ'' کے فریب کا پردہ چاک کرنے کی کوشش کی تھی۔

خاکوں کی اشاعت اور مستقبل کی جنگ

یورپ میں اٹھنے والے اس تنازعے کے پس منظر میں عالمی سیاست کا بھی بڑا دخل ہے۔ یورپ جو پچھلے پانچ سو سال سے صیہونیت کے مقاصد کے لیے جبر و کراہ کے ساتھ استعمال ہوتا آیا ہے' اس وقت یہود مخالف (Anti-Semetic) جذبات کی بھٹی میں جل رہا ہے۔ یہودی رہنما اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ جس بڑے معرکے ''Armageddon'' کی تیاری کر رہے ہیں جس کا مقصد مسجد اقصٰی کو شہید کر کے ہیکل سلیمانی کی تعمیر اور ایک وسیع تر اسرائیل کا قیام ہے' اس کے لیے بہت جانی اور مالی قربانی دینا پڑے گی۔ اس کے لیے یورپ کا اس جنگ میں ان کا ساتھ دینا ناگزیر ہے۔ اس لیے صیہونیت کے چیلے مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے

مٹا دینے کے لیے ایک اور صلیبی جنگ چھیڑنے پر یورپ کو مشتعل کر رہے ہیں۔ پچھلے ماہ ۴۲ ویں میونخ سیکورٹی کانفرنس میں امریکہ اور یورپ کو درپیش اسلامی خطرے سے خبردار کرتے ہوئے صیہونی امریکی وزیر دفاع ڈونالڈ رمزفیلڈ نے کہا: ''وہ (اسلام پسند) شمالی افریقہ سے جنوب مشرقی ایشیا تک کی حکومتوں پر قبضہ کر کے خلافت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے جو نقشہ تیار کیا ہے اس میں ملکی سرحدوں کو مٹا کر ایک عظیم الشان اسلامی سلطنت قائم کرنا ہے۔'' اس خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے یورپ کو یہودیوں کا ساتھ دینے پر اُبھارتے ہوئے اس نے مزید کہا: ''جب تک ہم اپنے دفاع اور حفاظت کے لیے متحد اور کمر بستہ نہیں ہوں گے ہماری سرحدوں پر خطرہ منڈلاتا رہے گا۔''

خلافت کو اپنے لیے سب سے بڑا خطرہ بتانے والے یہودیوں کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ خلیفہ کی موجودگی میں اسلام کے خلاف اشتعال انگیزی کا انجام کیا ہوتا ہے۔ انہیں یاد ہے کہ جب ۱۹۰۸ء میں فرانسیسیوں نے خلیفہ عبدالحمید سے حضرت محمد ﷺ کے بارے میں ایک اسٹیج شو کرنے کی اجازت مانگی تھی تو انہیں کیسی پھٹکار لگائی گئی تھی۔ خلیفہ نے اپنی تلوار میان سے نکال کر غصے سے جواب دیا تھا: ''یہ تلوار اُس وقت تک میان میں واپس نہیں جائے گی جب تک عیسائی دنیا اپنے اس ناپاک منصوبے سے باز نہیں آ جاتی۔'' خلیفہ کے اس اعلان سے نہ صرف فرانس بلکہ سارے یورپ میں خوف کی لہر دوڑ گئی تھی۔ عیسائیوں نے آناً فاناً خلیفہ سے معافی مانگی اور ایسا ڈرامہ کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

ایسا لگ رہا ہے کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کو باہم صلیبی جنگوں میں مبتلا کر کے یہودی سازش کامیاب ہوتی جا رہی ہے۔ عیسائیوں کے Conservative, Dispensationalist یا Fundamentalist طبقوں کے ذریعے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زہر افشانی میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ لیکن مسلمانوں کو یہ بات ضرور یاد رکھنی چاہیے کہ صیہونیوں کے شانہ بشانہ نظر آنے والے یہ نام نہاد عیسائی دراصل پروٹسٹنٹ ہیں جو خود عیسائیت میں یہودیت کی پیداوار ہیں۔ ان کی ساری کوششیں عیسائیت کو یہودیت زدہ کر دینے کی ہیں۔ رومن کیتھولک اور بہت سے آرتھوڈاکس چرچوں نے مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیزی میں کبھی بھی ان یہودی عیسائیوں یا عیسائی یہودیوں کا ساتھ نہیں دیا ہے۔ مغرب میں اسلام کی طرف آنے والے لوگوں کی اکثریت انہی کیتھولکس یا آرتھوڈاکس چرچ کے طبقے سے ہی تعلق رکھتی ہے۔ شاید یہ اس حدیث نبویؐ کی عملی تعبیر ہے

جس میں ایک بڑی جنگ (**الملحمة العظمٰی**) سے پہلے عیسائیوں کے ایک بڑے طبقے کے اسلام قبول کر کے مسلمانوں کی صفوں میں شامل ہو جانے کی بات کہی گئی ہے۔ (مسلم)

یہ حقیقت بھی ہمارے سامنے رہنی چاہیے کہ اس وقت مغرب میں زمامِ اقتدار یہودیوں کے ذریعے ورغلائے گئے عیسائیوں کے ہاتھوں میں ہے۔ اس لیے ایرانی صدر ڈاکٹر محمود احمدی نژاد نے مستقبل میں اسلام اور مغرب کے مابین ہونے والی جس جنگ کی طرف اشارہ کیا ہے اسے ہی احادیث میں غزوۂ روم' **الملحمة العظمٰی یا کبریٰ** سے تعبیر کیا گیا ہے (مسلم' ابن ماجہ) جس کا انجام مغرب سے اسلام دشمن طاقتوں کے خاتمے کے طور پر برآمد ہوگا۔ ان شاء اللہ! تو کیا نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کا جرم کر کے مغرب نے اپنے منطقی انجام کی گھڑی کو اور قریب نہیں کر لیا ہے؟ دنیا بہت جلد اس کا عملی مظاہرہ دیکھے گی۔

فکر و نظر

چار کے عدد کی اہمیت

چار حوالوں سے

شیخ محمد نفیس

عدد چار کی تکرار کے ضمن میں یہ ایک دلچسپ اور حیرت انگیز تحریر ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ یہ عدد خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے لیے جن چار حوالوں کو بنیاد بنایا گیا ہے، وہ یہ ہیں: قرآن مجید، احادیثِ رسول، سیرتِ مطہرہ اور ہماری زندگی۔

قرآن مجید

قرآن مجید کا آغاز بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ سے ہوتا ہے جو چار لفظی جملہ ہے۔ عظیم سورۃ ''العصر''، جس کے بارے میں امام شافعیؒ کا قول ہے کہ اگر قرآن مجید میں اس سورۃ کے سوا اور کچھ نازل نہ بھی ہوتا تو یہی ایک سورۃ لوگوں کی ہدایت کے لیے کافی ہوتی، اس میں نجاتِ اُخروی کے چار لوازم مذکور ہیں:

(i) ایمان (ii) عملِ صالح (iii) تواصی بالحق (iv) تواصی بالصبر

آسمانی کتب کی تعداد بھی چار ہے:

(i) زبور، حضرت داؤد علیہ السلام (ii) تورات، حضرت موسیٰ علیہ السلام

(iii) انجیل، حضرت عیسیٰ علیہ السلام (iv) قرآن، حضرت محمد ﷺ

جن چار انبیاء کرام علیہم السلام پر یہ نازل ہوئی ہیں ان کے اسمائے گرامی کے حروف کی تعداد بھی چار چار ہے۔ ترتیب کے لحاظ سے قرآن مجید کا نمبر ۴ ہے۔

سورۃ الفاتحہ کا پہلا جملہ ﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ﴾ چار الفاظ پر مشتمل ہے۔ اسی سورۃ الفاتحہ میں مانگی گئی دعا: ﴿اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ

عَلَيۡهِمۡ﴾ کے حوالے سے منعم علیہم کے بھی چار گروہ ہیں۔

(i) انبیاء کرام علیہم السلام (ii) صدیقین (iii) شہداء (iv) صالحین (النساء:۶۹)

سورۃ القمر میں ﴿وَلَقَدۡ يَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّكۡرِ فَهَلۡ مِّنۡ مُّدَّكِرٍ﴾ کے الفاظ چار دفعہ یعنی آیات ۱۷، ۲۲، ۳۲ اور ۴۰ میں دہرائے گئے۔

قرآن پاک میں ۲۶ انبیاء و رسل کے اسماء گرامی مذکور ہیں، جن میں چار انبیاء کرام کو دو ناموں یا القاب سے یاد کیا گیا ہے:

(i) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور احمد صلی اللہ علیہ وسلم

(ii) حضرت یونس علیہ السلام اور ذوالنون علیہ السلام

(iii) حضرت یعقوب علیہ السلام اور اسرائیل علیہ السلام

(iv) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مسیح علیہ السلام

اسی طرح چار انبیاء ایسے مذکور ہیں جن کا رشتہ تواتر سے باپ بیٹے کا ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام، اُن کے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام، اُن کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام اور اُن کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام۔

سورۃ الرحمٰن کی ابتدائی چار آیات میں چوٹی کی چار باتوں کا تذکرہ ہے:

(i) اَلرَّحۡمٰنُ: اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سب سے پیارا نام

(ii) عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ: ویسے تو انسان کو سارے علوم اللہ نے عطا کیے لیکن سب سے اونچا علم قرآن کا ہے۔

(iii) خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ: ساری کائنات اللہ نے تخلیق کی، جس میں سب سے چوٹی کی تخلیق انسان ہے۔

(iv) عَلَّمَهُ الۡبَيَانَ: سماعت، بصارت اور دیگر صلاحیتوں کے ساتھ چوٹی کی صفت بیان عطا فرمائی۔

اسی سورۃ میں ۳۱ مرتبہ فرمایا: فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔ ۳۱ کے دونوں ہندسوں کا حاصل جمع چار ہے۔

الرحمٰن کی رحمت کا تذکرہ ایک چار لفظی جملے کی شکل میں سورۃ الانعام کی آیت ۱۲ ﴿كَتَبَ عَلٰى نَفۡسِهِ الرَّحۡمَةَ﴾ میں ہے۔

سورۃ الغاشیہ کی چار آیات (۱۷ تا ۲۰) میں چار نشانیوں کا ذکر ہے: اونٹ کیسا پیدا کیا

گیا‘ آسمان کیسا بلند کیا گیا‘ پہاڑ کیسے بلند کیے گئے اور زمین کیسے بچھائی گئی!

سورۂ محمد (ﷺ) ۴ رکوعوں پر مشتمل ہے‘ جس کی آیت ۱۵ میں جنت کی چار اقسام کی نہروں کا ذکر ہے جو متقیوں کے لیے ہیں: (۱) پانی کی‘ جو بو نہیں کر گیا (۲) دودھ کی‘ جس کا مزہ نہیں بدلا (۳) شراب کی‘ جس میں مزہ ہے پینے والوں کے واسطے (۴) شہد کی‘ جس کا جھاگ اُتارا ہوا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا اسم گرامی ’’محمد‘‘ قرآن مجید میں چار مقامات پر وارد ہوا ہے: (۱) سورۂ آل عمران‘ آیت ۱۴۴۔ (۲) سورۃ الاحزاب‘ آیت ۴۰۔ (۳) سورۂ محمد‘ آیت ۲۔ (۴) سورۂ فتح‘ آیت ۲۹۔

نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں بھی چار ہیں۔ سورۃ الاعراف کی آیت ۱۵۷ کے آخری حصہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ’’پس جو لوگ (۱) ایمان لائے ان پر (۲) جنہوں نے ان کی توقیر و تعظیم کی (۳) جنہوں نے ان کی مدد و حمایت کی (۴) جنہوں نے اُس نور اور روشنی کا اتباع کیا اور پیروی کی جو ان کے ساتھ نازل کی گئی‘ تو یہی ہیں وہ لوگ جو خدا کے ہاں فلاح پانے والے ہیں‘‘۔ بانی تنظیم اسلامی کے کتابچہ (نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں) میں اس ضمن میں تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

اسی طرح سورۃ الجمعہ کی آیت ۲ میں نبی اکرم ﷺ کے بنیادی طریق کار یا اساسی منہج عمل کے جو ذرائع گنوائے گئے ہیں وہ بھی چار ہیں۔ سورۃ الجمعہ کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کے چار اسمائے حسنیٰ کا تذکرہ ہے‘ اسی ترتیب سے چار کام نبی اکرم ﷺ کے ذمہ لگائے گئے: (۱) لوگوں کو اللہ کی آیات سنانا (۲) ان کا تزکیہ کرنا (۳) کتاب کی تعلیم دینا (۴) حکمت سکھلانا۔ اور یہ بات قرآن پاک میں چار مقامات پر مذکور ہے‘ یعنی سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۲۹‘ ۱۵۱‘ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۶۴ اور سورۃ الجمعہ کی آیت ۲۔

قرآن مجید کے آخری پارے میں چار سورتیں ایسی ہیں جو لفظ ’’قُل‘‘ سے شروع ہوتی ہیں۔ یہ چار قل بہت معروف ہیں یعنی سورۃ الکافرون‘ سورۃ الاخلاص‘ سورۃ الفلق اور سورۃ الناس۔ سورۃ الکافرون کی چار دفعہ تلاوت کا ثواب پورے قرآن کی تلاوت کے برابر ہے۔

قرآن حکیم کی چار سورتیں نصف نصف پارے پر محیط ہیں۔ ان میں تین تو تسلسل سے ہیں‘ یعنی سورۂ طٰہٰ‘ انبیاء‘ اور حج جبکہ سورۃ الانفال نویں اور دسویں پارہ میں ہے۔

اسی طرح تین مثالیں سورۃ التحریم کے آخری حصہ میں بیان ہوئی ہیں اور چوتھی سورۃ

اللہب میں۔سورۃ التحریم میں پہلی مثال دوخواتین کی ہے جو دوجلیل القدر پیغمبروں حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویاں تھیں۔بہترین ماحول میسر آنے کے باوجود اُنہوں نے خیانت کی۔دوسری مثال فرعون کی بیوی آسیہ کی یعنی مومنہ' صالحہ' فائقہ خاتون اور بدترین ظالم شوہر۔تیسری مثال حضرت مریم بنت عمران کی کہ خاتون خود بھی نیک اور ماحول بھی ویسا۔چوتھی مثال سورۃ اللہب میں موجود ہے یعنی بیوی بھی بدخو'بدطینت اور شوہر اُس سے بڑھ چڑھ کر برا۔

قرآن حکیم میں سورتوں کو رکوعوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔بہت سی سورتیں ایک ایک رکوع پر مشتمل ہیں جبکہ ایک سورہ چالیس رکوعوں کی بھی ہے۔چار چار سورتوں کے دو گروپ ایسے ہیں جن کے رکوعوں کی تعداد یکساں ہے۔سورۂ فاطر' یٰسین' الصافات اور ص پانچ پانچ رکوعوں پر مشتمل ہیں جبکہ جاثیہ' احقاف' محمد اور فتح چار چار رکوعوں پر۔

زمین وآسمان کی تخلیق چھ دن میں ہوئی' لیکن اس کی تقسیم ۳+۳ نہیں۔سورۂ حٰم السجدہ کی آیات ۹'۱۰ میں بتایا گیا ہے کہ زمین بنانے اور سجانے میں چار دن لگے۔

سورۃ الشوریٰ کی آیت ۱۳ میں دین قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے' یہ حکم دیتے ہوئے چار انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ کر کے آنحضور ﷺ کو خطاب فرمایا گیا۔پھر سورۃ الاحزاب کی آیت ۷ میں انہی چار انبیاء کرام علیہم السلام (۱) حضرت نوحؑ (۲) حضرت ابراہیمؑ (۳) حضرت موسیٰ علیہم السلام (۴) حضرت عیسیٰؑ سے میثاق کا ذکر کر کے نبی اکرم ﷺ سے قرار لیا گیا۔

قرآن کریم میں کچھ حرام چیزوں کا تذکرہ ہے' مگر چار محرمات ہمیشہ اکٹھے اور اسی ترتیب سے آئے ہیں: (۱) مردہ' (۲) بہتا ہوا خون' (۳) خنزیر کا گوشت (۴) وہ جسے ذبح کرتے وقت اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔ان محرمات کا ذکر قرآن میں چار مرتبہ ہی آیا ہے۔

اسی طرح سورۃ المائدۃ کی آیت ۹۰ میں چار برے کاموں کا ذکر ہے جو شیطانی اعمال ہیں: (۱) شراب' (۲) جوا' (۳) بت' (۴) پانسے۔اسی سورہ کی آیت ۱۰۳ میں چار اقسام کی اونٹنیوں کا ذکر ہے: (۱) بحیرہ' (۲) سائبہ' (۳) وصیلہ' (۴) حام۔

بانیٔ تنظیم کی تصانیف میں سب سے زیادہ شائع ہونے والے اور بہت سراہے جانے والے کتابچے ''مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق'' میں قرآن مجید کو اللہ کا کلام ماننے کے بعد چار حقوق بتائے گئے ہیں: (۱) اس کو پڑھا جائے۔(۲) اس کو سمجھا جائے۔(۳) اس پر عمل کیا جائے۔(۴) اسے دوسروں تک پہنچایا جائے۔

اسلام کے پانچ ارکان میں سب سے پہلا رکن کلمہ طیبہ ہے جس کا تعلق اعتقاد سے ہے۔ باقی چار ارکان (۱) نماز (۲) روزہ (۳) زکوٰۃ (۴) حج کا تعلق عمل سے ہے۔

حدیث

حدیث قدسی کا ایک ٹکڑا ہے: ''ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے نبی اکرم ﷺ کا نام لیا جائے اور وہ ان پر درود نہ بھیجے۔'' چنانچہ اُمت کا چودہ سو سالہ تعامل ہے کہ جب کہیں آنحضور ﷺ کا نام گرامی بولا' لکھا' سنا یا پڑھا جاتا ہے تو جواب میں ایک چار لفظی جملہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ضرور ادا ہوتا ہے' جس میں درود اور سلام دونوں موجود ہیں۔ یہ مختصر مگر جامع اور مانع جملہ ہے اور آپ ﷺ کا ذکر بلند ہونے کی ایک شکل ہے۔ سورۃ الانشراح کی آیت ۴ ﴿وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ﴾ اس چار لفظی جملہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امیر تنظیم نے اپنے ۳۰ ستمبر ۲۰۰۵ء کے خطاب جمعہ میں فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ کے ذکر کو قیامت تک بلند کرنے کی ایک نمایاں صورت آپؐ پر درود بھیجنا ہے۔

اس سے اگلی سورۃ التین میں اللہ تعالیٰ نے چار قسمیں کھا کر چوتھی آیت میں انسان کی تخلیق کا ذکر کتنے پیارے انداز میں کیا ہے: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ﴾

اب کچھ مزید احادیث مبارکہ جن میں ہمارے لیے بہت سی ہدایات ہیں جو انتہائی حکمت سے سکھلائی گئی ہیں:

(i) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (۱) جس نے دیا تو صرف اللہ کے لیے (۲) جس نے کسی کی کوئی چیز ردّ کی تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے (۳) جس نے کسی سے محبت کی تو صرف اللہ کے لیے (۴) غصہ کیا تو صرف اللہ کے لیے۔ یہ چار کام مکمل کر لیے تو گویا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ (بخاری و مسلم)

(ii) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (۱) مؤمن کسی پر طعن کرنے والا نہیں ہوتا۔ (۲) نہ لعنت کرنے والا ہوتا ہے۔ (۳) وہ فحش گو بھی نہیں ہوتا۔ (۴) نہ وہ بے ہودہ بکواس کرتا ہے۔ (حدیث حسن ہے' رواہ الترمذی)

(iii) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس شخص میں چار خصلتیں ہیں وہ پکا منافق ہے اور جس میں ان میں سے ایک موجود ہوگی تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے جب تک کہ اُس کو چھوڑ نہ دے۔ (۱) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ (۲) جب بات کرے تو جھوٹ کہے۔ (۳) جب وعدہ

کرے تو عہد شکنی کرے (۴) جب جھگڑا کرے تو گالی گلوچ کرے۔ (بخاری و مسلم)

واقعاتِ سیرت ﷺ

محمد عربی ﷺ کی ولادتِ باسعادت عیسوی کیلنڈر کے چوتھے مہینے اپریل میں ہوئی۔

چالیس سال کی عمر کو پہنچے تو وحی کا آغاز ہوا۔ ملائکہ مقربین بھی چار ہیں۔ ان میں سے حضرت جبرائیل علیہ السلام جو سردارِ ملائکہ ہیں' آپؐ پر وحی لے کر آئے۔ آپ ﷺ نے اعلانِ نبوت کیا تو اوائل میں چار اصحاب ایمان لائے: (۱) حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا' (۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (۳) حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ (۴) حضرت زید رضی اللہ عنہ۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو چار بیٹیاں عطا فرمائیں: (۱) حضرت زینب' (۲) حضرت ام کلثوم (۳) حضرت رقیہ (۴) حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہن۔

غزوۂ بدر ایک مشہور غزوہ ہے۔ عموماً اس غزوہ کو کفار اور مسلمانوں کے درمیان پہلی باقاعدہ جنگ کے طور پر بیان کیا جاتا ہے' حالانکہ اس سے پہلے چار سرایا اور چار ہی غزوات ہو چکے تھے۔

اسلام کا سنہرا دور خلفائے راشدین کا دَور ہے' جن کی تعداد بھی چار ہے: (۱) حضرت ابوبکر صدیق' (۲) حضرت عمر بن خطاب' (۳) حضرت عثمان ذوالنورین اور (۴) حضرت علی رضی اللہ عنہم۔

معروف فقہائے کرام بھی چار ہیں: (۱) امام ابوحنیفہ' (۲) امام مالک' (۳) امام احمد بن حنبل اور (۴) امام شافعی' رحمہم اللہ۔

فتح مکہ کے بعد مشرکین کو ارض مقدس چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا تو چار ماہ کی مہلت دی گئی۔

سورۃ التوبہ کی آیت ۳۶ میں چار مہینوں کا ذکر ہے جو حرمت والے ہیں: (۱) رجب' (۲) ذی قعدہ (۳) ذوالحجہ (۴) محرم۔

سورۂ آل عمران میں نبی اکرم ﷺ کی نرم مزاجی کا تذکرہ ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آپؐ کے گرد جمع ہونے کا باعث بنی۔ مؤمنین کے لیے آپ ﷺ کی چار صفات کا تذکرہ سورۃ التوبہ کی آخری سے پہلی آیت میں ہے۔

شیخ سعدیؒ کی مشہور نعت چار مصرعوں پر مشتمل ہے:

بلغ العلی بکماله
کشف الدجی بجماله

حسنت جمیع خصالہ
صلوا علیہ وآلہٖ

ہماری زندگی

حیاتِ دُنیوی کے چار عناصر کا ذکر سکول کے زمانے میں ایک شعر کے حوالہ سے ابھی تک ذہن میں تازہ ہے:

مٹی پانی آگ ہوا
کھیل ہے تیری قدرت کا

انسان کی پیدائش کے معاملے کو لے لیں۔ چالیس چالیس دن کے تین پیریڈ مکمل ہونے پر جب حمل چار ماہ کا ہو جاتا ہے تو اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔ پیدا ہوا تو کان میں اذان دی گئی اور چار مرتبہ ''اللہ اکبر'' کے الفاظ اس کے کانوں نے سنے۔ بالغ ہوا تو نکاح سے ایک خاندان کی ابتدا ہوئی۔ نبی اکرم ﷺ نے خطبہ نکاح کے لیے قرآن پاک سے چار آیات کا انتخاب کیا' جن میں چار مرتبہ تقویٰ کا ذکر ہے۔

مسلمان مرد کو چار شادیوں تک کی اجازت دی گئی۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی زنا جیسے جرم کا مرتکب ہو جائے تو اس کے لیے سخت ترین سزا مقرر کرتے ہوئے چار گواہوں کی شہادت لازم کی گئی۔ سورۃ النور کے ابتدائی دو رکوعوں میں چار مرتبہ چار گواہوں کا تذکرہ ہے۔

فرائض دینی کے جامع تصور کو جب محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ایک عمارت کے ذریعے سمجھانے کی کوشش کی تو اسے اسلام کے چار عملی ارکان پر ہی کھڑا کیا۔

علامہ اقبال مرحوم کے نزدیک مسلمان بننے کے لیے چار عناصر کا ذکر اس شعر میں ملتا ہے:

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

ایمان کے حصول کے ذرائع کے بارے میں جب بانیٔ تنظیم نے مباحث ایمان پر خطبات دیے تو ابتداً میں تین ذرائع ہی کا تذکرہ کیا تھا مگر بعد کے ایک درس میں چار ذرائع بیان کیے' جو درج ذیل ہیں:

(۱) آیات آفاقی وانفسی پر غور کے ذریعے سے۔
(۲) قرآن مجید کے حوالہ سے
(۳) عمل کی محنت سے

(۴) صالحین کی صحبت اختیار کرنے سے

نماز اسلام کا اہم رکن ہے۔ اس کے لیے وضو شرط ہے۔ سورۃ المائدہ کی آیت ۶ میں نماز سے پہلے وضو کرنے کا حکم دیا گیا ہے' جس کے چار فرائض ہیں: (۱) پورے چہرے کا دھونا (۲) بازوؤں کا کہنیوں تک دھونا (۳) سر کا مسح کرنا (۴) پاؤں کا ٹخنوں تک دھونا۔

نماز میں درودِ ابراہیمی پڑھا جاتا ہے' اس میں اسم مبارک محمد ﷺ چار مرتبہ ادا ہوتا ہے۔

نماز پنجگانہ میں چار نمازیں ایسی ہیں جن میں دو رکعات سنت مؤکدہ کے طور پر پڑھی جاتی ہیں: فجر میں فرض سے پہلے' جبکہ ظہر' مغرب اور عشاء میں فرض کے بعد۔ نوافل نماز پنجگانہ کے ساتھ اگرچہ لازم کے درجہ میں نہیں مگر اکابرین سے چار دفعہ دو دو نوافل کا ذکر ملتا ہے۔ ظہر اور مغرب کے بعد' عشاء میں وتر سے پہلے اور بعد میں دو دو۔ چار نوافل ایسے ہیں جو دن رات میں پڑھنا کسی نہ کسی طرح ثابت ہیں: (۱) اشراق (۲) چاشت (۳) اوابین (۴) تہجد۔

ایک مقیم' آزاد مسلمان پر سال بھر میں ۴ رکعات باجماعت واجب ہیں جو بغیر جماعت قبول نہیں۔ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی دو دو واجب رکعتیں۔

حاجیوں کے ترانے یعنی تلبیہ لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ ''لبیک'' چار دفعہ استعمال ہوتا ہے۔

﴿کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ یہ چار لفظی جملہ قرآن پاک میں تین مرتبہ آیات کے حصے کے طور پر موجود ہے۔ ہمارے دین میں نماز جنازہ کی ایک حیثیت ہے۔ نماز جنازہ کی چار تکبیریں بہت معروف ہیں۔ نماز جنازہ کی تیسری تکبیر کے بعد جو دعا مانگی جاتی ہے جو اس سلسلے میں زیادہ معروف ہے (اگرچہ کچھ اور دعائیں بھی ثابت ہیں) اس میں چار گروہوں کا ذکر ہے جو احاطہ کر رہے ہیں تمام شعبوں کا۔ اے اللہ! مغفرت فرما: (۱) ہمارے زندوں کی اور مرحومین کی (۲) ہمارے موجود لوگوں کی اور غیر حاضر لوگوں کی (۳) ہمارے چھوٹوں کی اور بڑوں کی (۴) ہمارے مَردوں کی اور عورتوں کی۔ ''ندائے خلافت'' میں کسی کے انتقال کی خبر کے نیچے جو دعا درج ہوتی ہے اس میں بھی چار دعائیں مرحوم کے لیے ہوتی ہیں: (۱) اس کی مغفرت فرما (۲) اس پر رحم فرما (۳) اسے اپنی رحمت میں داخل فرما (۴) اس سے آسان حساب لے۔ چاہے محاورتاً ہی سہی' یہی ذکر ہوتا ہے کہ چار دن کی زندگی ہے۔ ع عمر دراز مانگ کے لائے تھے چار دن۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اطمینان قلبی کے لیے اللہ تعالیٰ سے مردوں کو زندہ کرنے کے

مشاہدہ کی خواہش کی تو اللہ تعالیٰ نے چار پرندوں کو اپنے ساتھ سدھانے کا اور ذبح کر کے ان کے حصوں کو چار چوٹیوں پر رکھنے کا حکم دیا۔ (البقرۃ:۲۶۰) شاید چار چوٹیوں سے مراد چار سمتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ عام انسانوں کو بھی حصول ایمان کے لیے مختلف مواقع مہیا کرتا رہتا ہے جو ایمان میں اضافہ کا باعث بنتے ہیں۔

۸/اکتوبر ۰۵ء کا زلزلہ اس فیصلے کے ٹھیک چار سال بعد آیا جب پاکستان نے امریکہ کو افغانستان پر حملہ کرنے کے لیے اپنی سرزمین استعمال کرنے کی اجازت دی تھی۔

چونکہ عموماً ہم موروثی مسلمان ہیں اس لیے ہم پر چار دینی فرائض عائد ہوتے ہیں کہ ہر مسلمان (۱) شعوری ایمان حاصل کرے (۲) خود صحیح معنوں میں اللہ کا بندہ بنے (۳) اوروں کو دین کی دعوت دے (۴) اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لیے دوسروں کے ساتھ مل کر کوشش کرے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ دینی فرائض کما حقہٗ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

1

جدید دنیائے اسلام

قسط وار سلسلہ (32)

تُرکمانستان

(TURKMENISTAN)

تحقیق وتحریر: سید قاسم محمود

ترکمانستان : ایک نظر میں

صدر تا حیات: سپر مراد اے نیاز وف
رقبہ: 488,100 مربع کلومیٹر
آبادی: 50 لاکھ (لاہور سے بھی کم)
اوسط عمر: 62 سال
سالانہ شرح پیدائش: 1.9 فی صد
گنجانی آبادی: 26 فی مربع میل
دارالحکومت: اشک آباد (آٹھ لاکھ)
مذہب: مسلمان 89 فیصد، عیسائی 9 فیصد، دیگر 2 فیصد۔
نسلیں: ترکمان 85 فیصد، ازبک 5 فیصد، روسی 4 فیصد، دیگر 6 فیصد۔
زبانیں: ترکمان 72 فیصد، روسی 12 فیصد، ازبک 9 فیصد، دیگر 7 فیصد۔
شرح خواندگی: 98 فیصد
کل قومی پیداوار: 28 ارب ڈالر سالانہ
افراطِ زر: 9.5 فیصد
زراعت: کپاس، اجناس، مویشی
صنعت: گیس، تیل، پارچہ بافی، ڈبہ بند غذائیں۔
تیل کی پیداوار: 162,500 بیرل روزانہ
تیل کے ذخائر: 1.430 ٹریلین کیوبک میٹر
برآمدات: 3.355 ارب ڈالر (گیس، تیل، کپاس، ٹیکسٹائل)
درآمدات: 2.472 ارب ڈالر (مشینری اور پرزہ جات، خوراک)
تجارتی ساتھی: یوکرین، روس، اٹلی، ترکی، ایران، متحدہ عرب امارات، جرمنی، چین۔
ہوائی اڈے: 69
کل فوج: 20 ہزار

ترکمانستان

وسط ایشیا کے اس اسلامی ملک کو ترکمینیہ بھی کہا جاتا ہے اور ترکمنستان بھی۔ یہ ترکمانوں کا علاقہ ہے جو وسط ایشیا کے ان چند ترکی الاصل قبائل میں سے ہیں جنہوں نے مغول (منگولوں) کے عہد کے بعد بھی اپنا قدیم نسلی نام برقرار رکھا، لیکن اُن کے قدیم قبائلی ناموں میں سے بہت کم نام باقی رہ گئے ہیں۔

ترکمانستان روس کے زیر اثر آنے سے پہلے روسی ترکستان کا علاقہ تھا۔ بحیرۂ کیسپین کے مشرق میں واقع یہ ملک شمال مغرب میں قازقستان، شمال مشرق میں ازبکستان، مشرق میں تاجکستان، جنوب مشرق میں افغانستان اور جنوب میں ایران سے گھرا ہوا ہے۔

طبعی ساخت اور ارضی خدوخال کے اعتبار سے ترکمانستان کے جنوب مغربی حصے میں کوپٹ

داغ (چٹیل خشک پہاڑ) ہیں جو اس کو ایران سے الگ کرتے ہیں۔ کوپٹ داغ کی اونچائی 2246 میٹر تک ہے۔ جنوب مشرقی حصے میں ہندوکش کا پہاڑی سلسلہ ہے۔ باقی ملک کے بیشتر حصے میں (یعنی کل رقبے کے نویں حصے میں) قراقم کا ریگستان پھیلا ہوا ہے۔ یہ دنیا کے بڑے ریگستانوں میں سے ہے۔ یہ تقریباً ایک لاکھ 38 ہزار 966 مربع میل (تین لاکھ 60 ہزار مربع کلومیٹر) پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ ریگستان کالے رنگ کا ہے اور دُور دراز علاقے میں پھیلے ہوئے سیاہ ریت کے ٹیلے، جن کو برخان کہتے ہیں، ہولناک منظر پیش کرتے ہیں۔ ہندوکش کی پہاڑیوں سے نکلنے والے مرغاب اور تیزان دریا جنوب سے شمال کی طرف بہتے ہوئے کسی جھیل یا سمندر میں گرنے سے پہلے ہی توران (مشرقی ترکمانستان) کے ریگستان میں ختم ہو جاتے ہیں۔ ان دریاؤں کی وادیوں میں بہت سے زرخیز نخلستان ہیں، جن میں ماری اور تیزان خاص طور پر قابل ذکر ہیں، جو ملک کی اناج اور پھلوں کی ضروریات کو بہت حد تک پورا کرتے ہیں۔ روایتی طور پر ترکمانستان کے لوگوں کی معاشی زندگی کا دارومدار چراگاہی پر ہے۔

زمانۂ قدیم میں یہ علاقہ سلطنتِ فارس کا حصہ تھا۔ گیارہویں صدی میں یہاں سلجوقیوں کی حکمرانی تھی۔ انہی کے عہد میں یہاں کے قبائل نے اسلام قبول کیا۔ تیرہویں صدی میں مغول نے چنگیز خان کی خونی قیادت میں یہ علاقہ فتح کیا اور آئندہ دو صدیوں تک یہاں اُن کی حکمرانی رہی۔ پندرہویں صدی میں اُزبکوں نے فاتحانہ حملے کر کے اسے زیرنگیں کیا۔ انیسویں صدی تک ترکمینیہ دو حصوں میں منقسم تھا۔ ایک حصہ خیوا کی امارت اور دوسرا حصہ بخارا کی امارت کے زیرتسلط تھا۔ 1868ء میں خیوا روس کا حصہ بن گیا اور یوں ترکمینیہ بھی روس کے زیرتسلط آ گیا تو اس علاقے کو روسی ترکستان کہا جانے لگا۔ روسی تسلط سے پہلے ترکمنوں نے اپنی متحدہ اور مستحکم حکومت کبھی قائم نہیں کی تھی۔ 1917ء میں بالشویکی انقلاب ترکمینیہ تک پہنچ گیا اور 1918ء میں سابقہ صوبۂ ماورائے خزر داخلی خودمختاری رکھنے والی سوویت اشتراکی جمہوریت کا ترکمنی صوبہ بن گیا۔ 1918ء میں اشک آباد (جسے عشق آباد بھی کہا جاتا ہے) میں اشتراکیت کے خلاف ایک ''ماورائے خزر حکومت'' قائم ہوئی تھی، لیکن فروری 1920ء میں اس انقلابی حکومت کا خاتمہ کر دیا گیا اور اس کی جگہ وہاں پھر سے سوویتی حکومت قائم کی گئی۔ 1924ء میں وہ علاقہ جو پہلے صوبہ ماورائے خزر میں شامل تھا اور بخارا و خوارزم کی عوامی سوویتی جمہوریتوں کے وہ حصے جن میں ترکمان قوموں کی اکثریت تھی، ان سب کو ملا کر ''ترکمنی سوویتی اشتراکی جمہوریت'' قائم کر دی گئی اور 13 مئی 1925ء کو اس کا شمار ان جمہوریتوں میں ہو گیا جن سے یو ایس ایس آر کی تشکیل ہوئی تھی۔

یو ایس ایس آر (سوویت یونین) کی تحلیل کے بعد اگست 1990ء میں ترکمانستان نے اپنی مکمل آزادی اور خودمختاری کا اعلان کیا۔ 21 دسمبر 1991ء کو سوویت یونین کی سابقہ دس جمہوریتوں

نے ''آزاد ریاستوں کی دولت مشترکہ'' بنائی تو ترکمانستان بھی اس میں شامل تھا۔لیکن یہاں ایک ایسی شخصی حکومت قائم ہوئی جو دوسری نو آزاد ریاستوں کے مقابلے میں زیادہ آمرانہ ہے۔ترکمان کے صدر سپرامراد نیازوف اکتوبر 1990ء سے مسلسل صدر چلے آرہے ہیں۔انھوں نے اپنی شخصیت کی خوب تشہیر کی ہے۔اپنے آپ کو ''ترکمن باشی'' (ترکمانوں کا بادشاہ) کہلوایا۔کئی شہروں کے نام بدل کر اُن کے نام سے موسوم کر دیے گئے ہیں۔کیلنڈر کے بارہ مہینوں کے نام تبدیل کر دیے گئے ہیں' جن میں جنوری کا نام صدر نیازوف کے نام پر ''ترکمن باشی'' اور اپریل کا نام بدل کر اُن کی والدہ کے نام سے منسوب کر دیا گیا ہے۔اُن کی شخصی آمریت کے خلاف احتجاجی تحریکیں چلتی رہتی ہیں' لیکن اب تک کوئی تحریک کامیاب نہیں ہوسکی۔ بلکہ 1992ء اور 1994ء میں وہ بلا مقابلہ صدر منتخب ہوئے۔ یہاں تک کہ دسمبر 1999ء میں اُن کی ربڑ اسٹمپ پارلیمنٹ نے انھیں تاحیات صدر منتخب کرلیا۔

قبولِ اسلام کے بعد

جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے' ترکمن قبائل نے اسلام سلجوقیوں کے عہد میں قبول کیا تھا۔اُس وقت سے آج تک یہ قبائل سنّی ہیں' لیکن اُن کی بہت سی مذہبی رسوم علاقائی ثقافت کی مظہر ہیں' بلکہ بعض رسوم میں قبولِ اسلام سے پہلے کی تہذیب کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ترکمانستان کے مسلمانوں کی خاص بات پیر پرستی ہے۔خانقاہوں پر عقیدت مند مریدوں کی طرح منڈلاتے رہتے ہیں۔ کہنا چاہیے کہ غیر اسلامی تصوف کا اُن پر گہرا اثر ہے۔ان بدعتوں کو دُور کرنے کے لیے انیسویں صدی کے اواخر میں بخارا اور وادیٔ فرغانہ کے دوسرے علاقوں میں جو اصلاحی وتجدیدی تحریک چلی تھی' وہ قدیم علاقائی' ثقافتی رسوم وروایات کو ختم نہ کرسکی۔ یہاں تک کہ سوویت یونین کے ستّر سالہ آمرانہ دَور میں اسلام کے خلاف جو زبردست تحریک چلائی گئی تھی' وہ بھی ترکمانوں کو ان کی قدامت سے جدا نہ کرسکی۔

قدیم رسوم کے ساتھ ساتھ اسلامی شعائر پر بھی ترکمان سختی سے پابند ہیں۔1880ء میں جب روس نے ترکمینیہ پر قبضہ کیا تو مسلمانوں نے اپنے مذہبی عقائد وشعائر پر ذرا بھی اثر نہ پڑنے دیا۔البتہ 1920ء کے بعد جب سوویت یونین کی مطلق العنانی قائم ہوئی تو ترکمنوں کے اسلام پر بھی اثر پڑا۔ اشتمالی حکومت کی پالیسی چرچ اور ریاست کو الگ الگ رکھنے کی تھی۔تمام اسلامی اوقاف کو قومی ملکیت میں لے لیا گیا اور یوں مسلمانوں کی اقتصادی طاقت کو توڑنے کی سرکاری کوشش کی گئی۔سوویت یونین نے دہریت کے حق میں اور اسلام کے خلاف زبردست سرکاری پروپیگنڈا کیا۔ اس کا بھی اثر مسلمانوں کی مذہبی زندگی پر بہت برا ہوا۔تیس کی دہائی میں سٹالن نے جب ظلم وستم کی تحریک کو عروج پر پہنچا دیا تو مسجدوں کے دروازے مقفّل کر دیے گئے اور خطیبوں اور اماموں کو گرفتار کر کے جیلوں میں ڈال دیا گیا۔

1944ء تک سوویت یونین میں مسلمان ''مرکزی مسلم روحانی نظامت'' کے انتظامی و مالی کنٹرول میں تھے۔ 1944ء میں مرکزی روحانی نظامت کو چار نظامتوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ترکمانستان جس نظامت کے حصے میں آیا' اسے ''مسلمانانِ وسط ایشیا کی نظامت'' کا نام دیا گیا۔ اس کا صدر دفتر تاشقند (ازبکستان) میں تھا۔ اس نظامت کے تحت ایک ''روحانی نظامت'' تھی' جس کے تحت مذہبی امور کی کونسل تھی۔ 1965ء میں سوویت یونین کے وزراء کی کابینہ کے تحت مذہبی امور کی مجلس مشاورت بنائی گئی' جس نے مسلمانوں پر سوویت یونین کا اقتدار و اختیار جمانے کے لیے متعدد سخت گیرانہ اقدامات کیے۔ ان سرکاری اقدامات کا نتیجہ یہ ہوا کہ پورے ترکمانستان میں صرف چار مسجدیں نمازیوں کے لیے کھلی رکھی گئیں' وہ بھی سرکاری انتظام کے تحت۔ اگست 1990ء میں آزادی کے بعد امید تھی کہ اسلام کی روح کے مطابق مسلمانوں کو اپنے عقائد و شعائر کے مطابق زندگی بسر کرنے کی آزادی ہوگی' لیکن یہ امید اب تک پوری نہیں ہوئی۔

معاشی صورتِ حال

ترکمانستان میں تیل اور گیس کے وسیع ذخائر قدرتی طور پر موجود ہیں۔ نوے کی دہائی میں ترکمانستان اپنی گیس روسی پائپ لائن کے ذریعے برآمد کرتا رہا' جس سے سالانہ ایک ارب ڈالر کی آمدنی ہو جاتی تھی۔ 1993ء میں روس نے اپنی پائپ لائن بند کر دی' کیونکہ اس سے روسی گیس کی برآمد میں بہت کمی آ جانے سے نقصان ہو رہا تھا۔ اب ترکمانستان کی گیس کی برآمد اُس کے پڑوسی غریب مسلم ملکوں تک محدود ہو کر رہ گئی' جو بنیادی اخراجات کا بل ادا کرنے سے بھی قاصر تھے۔ تب ترکمانستان نے ایران کے ذریعے گیس کی برآمد کے لیے ایک نیا راستہ کھولا۔ اس انتظام سے ایران کا پرانا دشمن امریکہ برہم ہو گیا۔ اُس نے ایران کو زک پہنچانے کے لیے ترکمانستان کو امداد اور قرضوں تلے دبا لیا۔ سالِ رواں میں ایران' پاکستان اور انڈیا کی مشترکہ پائپ لائن کا جو معاہدہ ہونے والا تھا' اسے منسوخ کرانے کے لیے امریکہ نے پاکستان اور انڈیا پر دباؤ ڈالا کہ وہ ایران کی بجائے ترکمانستان کی گیس افغانستان کے ذریعے درآمد کریں۔ چنانچہ ترکمانستان' افغانستان' پاکستان اور انڈیا کے درمیان گیس کی پائپ لائن بچھانے کا معاہدہ پائپ لائن میں ہے۔